

آنکھیں

سارا شگفتہ

مشمولات

5	سارا شگفتہ
8	سارا شگفتہ بزبانِ خود
8	پہلا حرف
13	شیلی بیٹی
14	رنگ چور
19	اے میرے سر سبز خدا
21	آنکھیں دو جڑواں بہنیں
22	سنگِ میل پہروں چلتا ہے
23	پرندے کی آنکھ کھل جاتی ہے
25	چراغ جب میرا کمرہ ناپتا ہے
28	چاند کا قرض
30	نثری نظم
32	ڈال کتنے رنگ بوئے گی
34	قرض
37	ہونٹ میرے گداگر
40	پانیوں کی بدی
41	دو گھونٹ پیاس اور
42	کوئی کپڑے کیسے بدل گیا
44	موت کی تلاشی مت لو
49	آتش دان

45	آنکھوں کے دھاگے
47	باہر آدھی بارش ہو رہی ہے
50	مجھے پتھر کی آنکھ مت دینا
52	رات چٹکی بجاتی ہے دن کی پور سے
54	میں اپنی دیوار کی آخری اینٹ تھی
57	چاند کتنا تنہا ہے
60	بیساکھیاں
62	میرے تینوں پھول پیاسے ہیں
65	قید خانہ شروع ہوتا ہے
68	گھڑی جو دیوار ہو چکی تھی
70	پانیوں کے دھاگے
72	دوسرا پہاڑ
74	چیونٹی بھر آٹا
77	یہ روز کون مر جاتا ہے
79	بے وطن بدن کو موت نہیں آتی
85	زندگی کی کتاب کا آخری صفحہ
87	آنکھیں سانس لے رہی ہیں
94	بدن سے پوری آنکھ ہے میری
97	آدھا کرہ
104	رسیاں
107	نیند جھوٹا پانی ہوئی
114	انسانی گارے
123	سائے کی خاموشی

- 125 کانٹے پہ کوئی موسم نہیں آتا !
- 139 پتھروں کا پیمان
- 162 ایک چاند مانگ کر مُغسل ہوئی

سارا شگفتہ

ایک تعارف

بُرا کیتو ای صاحباں---

(اظہار : امرتا پریتم)

صاحبانِ تُو نے بُرا کیا۔۔۔ یہ الفاظ مرزا نے تب کہے تھے، جب اُس کی صاحبان نے اُس کا ترکش اُس سے چھپا کے پیڑ پر رکھ دیا تھا۔ اور آج تڑپ کر یہی الفاظ میں کہہ رہی ہوں۔ جب سارا شگفتہ نے اپنی زندگی کا ترکش جانے آسمان کے کس پیڑ پر رکھ دیا ہے اور خود بھی صاحبان کی طرح مَر گئی ہے اور اپنا مرزا بھی مروا دیا ہے۔ ہر دوست مرزا ہی تو ہوتا ہے۔۔۔ میں کتنے دنوں سے بھری آنکھوں سے سارا کی وہ کتاب ہاتھوں میں لئے ہوئے ہوں جو میں نے ہی شایع کی تھی، اور احساس ہوتا ہے کہ سارا کی نظموں کو چھو کر کہیں سے میں اس کے بدن کو چھو سکتی ہوں۔

کم بخت کہا کرتی تھی، " اے خُدا! میں بہت کڑوی ہوں، پر تیری شراب ہوں۔۔۔" اور میں اُس کی نظموں کو اور اُس کے خطوط کو پڑھتے پڑھتے خدا کی شراب کا ایک ایک گھونٹ پی رہی ہوں۔۔۔

یہ زمین وہ زمین نہیں تھی جہاں وہ اپنا ایک گھر تعمیر کر لیتی، اور اسی لئے اُس نے گھر کی جگہ ایک قبر تعمیر کر لی۔ لیکن کہنا چاہتی ہوں کہ سارا قبر بن سکتی ہے قبر کی خاموشی نہیں بن سکتی۔ دل والے لوگ جب بھی اس کی قبر کے پاس جائیں گے۔ اُن کے کانوں میں سارا کی آواز سنائی دے گی،

" میں تلاوت کے لئے انسانی صحیفہ چاہتی ہوں۔"

وہ تو ضمیر سے زیادہ جاگ چکی تھی۔۔۔۔

اِس دنیا میں جس کے پاس بھی ضمیر ہے، اُس کے ضمیر کے کان ضرور ہوں گے، اور وہ ہمیشہ اُس کی آواز سُن پائیں گے کہ میں تلاوت کے لئے انسانی صحیفہ چاہتی ہوں۔۔۔ میں نہیں جانتی یہ انسانی صحیفہ کب لکھا جائے گا، پر یہ ضرور جانتی ہوں کہ اگر آج کا اتہاس خاموش ہے تو آنے والے کل کا اتہاس ضرور گواہی دے گا کہ انسانی صحیفہ لکھنے کا الہام صرف سارا کو ہوا تھا۔۔۔

اتہاس گواہی دے گا کہ سارا خود اُس انسانی صحیفہ کی پہلی آیت تھی۔۔۔ اور آج دنیا کے ہم سب ادیبوں کے سامنے وہ کورے کاغذ بچھا گئی ہے کہ جس کے پاس سچ مچ کے قلم ہیں، انہیں انسانی صحیفہ کی اگلی آیتیں لکھنی ہوں گی۔۔۔ اچانک دیکھتی ہوں۔۔۔۔ میری کھڑکی پاس کُچھ چڑیاں چہچہا رہی ہیں اور چونک جاتی ہوں۔ ارے! آج تو سارا کا جنم دن ہے۔۔۔ جب اُس سے ملاقات ہوئی تھی تو اپنے جنم دن کی بات کرتے ہوئے اُس نے کہا تھا۔۔۔ پنچھیوں کا چہچہانا ہی میرا جنم دن ہے۔۔۔

سارا! دیکھ! امروز نے ہمارے گھر کے آنگن کی سب سے بڑی دیوار پر چڑیوں کے سات گھونسلے بنا دئے ہیں۔۔۔ اور اب وہاں چڑیاں دانا کھانے بھی آتی ہیں اور لکڑی کے چھوٹے چھوٹے سفید گھونسلوں میں تنکے رکھتی ہوئیں جب وہ

چھوٹے چھوٹے پنکھوں سے اُڑتی ، کھلتی اور چھپاتی ہیں ---- تو کائنات میں یہ آواز گونج جاتی ہے کہ آج سارا کا جنم دن ہے ----

میں دُنیا والوں کی بات نہیں کرتی ، اُن کے ہاتھوں میں تو جانے کس کس طرح کے ہتھیار رہتے ہیں۔ میں صرف پنچھیوں کی بات کرتی ہوں ، اور اُن کی جن کے انسانی جسموں میں پنچھی رُوح ہوتی ہے اور جب تک وہ سب اس زمین پر رہیں گے ، سارا کا جنم دن رہے گا ----

کم بخت نے خود ہی کہا تھا ، " میں نے پگڈنڈیوں کا پیرہن پہن لیا ہے۔ " لیکن اب کس سے پوچھوں کہ اُس نے یہ پیرہن کیوں بدل لیا ہے ؟ جانتی ہوں کہ زمین کی پگڈنڈیوں کا پیرہن بہت کانٹے دار تھا اور اُس نے آسمان کی پگڈنڈیوں کا پیرہن پہن لیا لیکن -- اور اس لیکن کے آگے کوئی لفظ نہیں ہے ، صرف آنکھ کے آنسو ہیں ----

امرتا پریتم

سارا شگفتہ بزبانِ خود

پہلا حرف

آج سے پانچ برس پہلے کہنے کو ایک شاعر میرے ساتھ فیملی پلاننگ میں سروس کرتا تھا۔ میں بہت با نماز ہوتی تھی۔ گھر سے آفس تک کا راستہ بڑی مشکل سے یاد کیا تھا۔ لکھنے پڑھنے سے بالکل شوق نہیں تھا۔ اتنا ضرور پتہ تھا۔ شاعر لوگ بڑے ہوتے ہیں۔

ایک شام شاعر صاحب نے کہا مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔ پھر ایک روز ریستوراں میں ملاقات ہوئی۔ اُس نے کہا شادی کرو گی؟ دوسری ملاقات میں شادی طے ہو گئی۔

اب قاضی کے لئے پیسے نہیں تھے۔ میں نے کہا۔ ادھی فیس تم قرض لے لو اور ادھی فیس میں قرض لیتی ہوں۔ چونکہ گھر والے شریک نہیں ہوں گے میری طرف کے گواہ بھی لیتے آنا۔ ایک دوست سے میں نے اُدھار کپڑے مانگے اور مقررہ جگہ پر پہنچی اور نکاح ہو گیا۔

قاضی صاحب نے فیس کے علاوہ میٹھائی کا ڈبہ بھی منگوا لیا تو ہمارے پاس چھ روپے بچے۔

باقی جھونپڑی پہنچتے پہنچتے، دو روپے، بچے۔ میں لائین کی روشنی میں گھونگھٹ کاڑھے بیٹھی تھی۔

شاعر نے کہا، دو روپے ہوں گے، باہر میرے دوست بغیر کرائے کے بیٹھے ہیں۔ میں نے دو روپے دے دئے۔ پھر کہا! ہمارے ہاں بیوی نوکری نہیں کرتی۔ نوکری سے بھی ہاتھ دھوئے۔

گھر میں روز تعلیم یافتہ شاعر اور نقاد آتے اور ایلٹ کی طرح بولتے۔ کم از کم میرے خمیر میں علم کی وحشت تو تھی ہی لیکن اس کے باوجود کبھی کبھی بھوک برداشت نہ ہوتی۔

روز گھر میں فلسفے پکتے اور ہم منطق کھاتے۔

ایک روز جھونپڑی سے بھی نکال دیئے گئے، یہ بھی پرانی تھی۔ ایک آدھا مکان کرائے پر لے لیا۔ میں چٹائی پر لیٹی دیواریں گنا کرتی۔

اور اپنے جہل کا اکثر شکار رہتی۔

مجھے ساتواں مہینہ ہوا۔ درد شدید تھا اور بان کا درد بھی شدید تھا۔ علم کے غرور میں وہ آنکھ جھپکے بغیر چلا گیا۔ جب اور درد شدید ہوا تو مالک مکان میری چیخیں سنتی ہوئی آئی اور مجھے ہسپتال چھوڑ آئی۔ میرے ہاتھ میں درد اور پانچ کڑکڑاتے ہوئے نوٹ تھے۔

تھوڑی دیر کے بعد لڑکا پیدا ہوا۔ سردی شدید تھی اور ایک تولیہ بھی بچے کو لپیٹنے کے لئے نہیں تھا۔

ڈاکٹر نے میرے برابر اسٹریچر پر بچے کو لٹا دیا۔

پانچ منٹ کے لئے بچے نے آنکھیں کھولیں۔

اور کفن کمانے چلا گیا۔

بس ! جب سے میرے جسم میں آنکھیں بھری ہوئی ہیں۔ Sister وارڈ میں مجھے لٹا گئی۔ میں نے Sister سے کہا میں گھر جانا چاہتی ہوں کیونکہ گھر میں کسی کو علم نہیں کہ میں کہاں ہوں۔ اُس نے بے باکی سے مجھے دیکھا اور کہا ، تمہارے جسم میں ویسے بھی زہر پھیلنے کا کا ڈر ہے۔ تم بستر پر رہو۔ لیکن اب آرام تو کہیں بھی نہیں تھا۔
میرے پاس مُردہ بچہ اور پانچ روپے تھے۔

میں نے Sister سے کہا ، میرے لئے اب مشکل ہے ہسپتال میں رہنا۔ میرے پاس فیس کے پیسے نہیں ہیں میں لے کر آتی ہوں، بھاگوں گی نہیں۔

تمہارے پاس میرا مُردہ بچہ امانت ہے، اور سیڑھیوں سے اتر گئی۔ مجھے 105 ڈگری بخار تھا۔ بس پر سوار ہوئی ، گھر پہنچی۔ میرے پستانوں سے دودھ بہہ رہا تھا۔ میں دودھ گلاس میں بھر کر رکھ دیا۔ اتنے میں شاعر اور باقی منشی حضرات تشریف لائے۔ میں نے شاعر سے کہا ، لڑکا پیدا ہوا تھا ، مَر گیا ہے۔

اُس نے سرسری سنا اور نقادوں کو بتایا۔

کمرے میں دو منٹ خاموشی رہی اور تیسرے منٹ گفتگو شروع ہو گئی !

فرانڈ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے ؟

راں بو کیا کہتا ہے ؟

سعدی نے کیا کہا ہے ؟

اور وارث شاہ بہت بڑا آدمی تھا۔

یہ باتیں تو روز ہی سُنتی تھی لیکن آج لفظ کُچھ زیادہ ہی سنائی دے رہے تھے۔ مجھے ایسا لگا !

جیسے یہ سارے بڑے لوگ تھوڑی دیر کے لئے میرے لہو میں رُکے ہوں، اور راں بو اور فرائنڈ میرے رحم سے میرا بچہ نوج رہے ہوں۔ اُس روز علم میرے گھر پہلی بار آیا تھا اور میرے لہو میں قہقہے لگا رہا تھا۔ میرے بچے کا جنم دیکھو !!!

چنانچہ ایک گھنٹے کی گفتگو رہی اور خاموشی آنکھ لٹکائے مجھے دیکھتی رہی۔ یہ لوگ علم کے نالے عبور کرتے کمرے سے جدا ہو گئے۔

میں سیڑھیوں سے ایک چیخ کی طرح اُتری۔ اب میرے ہاتھ میں تین روپے تھے۔ میں ایک دوست کے ہاں پہنچی اور تین سو روپے قرض مانگے۔ اُس نے دے دیئے۔ پھر اُس نے دیکھتے ہوئے کہا !

کیا تمہاری طبیعت خراب ہے ؟

میں نے کہا، بس مجھے ذرا ابخار ہے، میں زیادہ دیر رُک نہیں سکتی۔ پیسے کسی قرض خواہ کو دینے ہیں، وہ میرا انتظار کر رہا ہو گا۔

ہسپتال پہنچی۔ بل 295 روپے بنا۔ اب میرے پاس پھر مُردہ بچہ اور پانچ روپے تھے۔ میں نے ڈاکٹر سے کہا۔

آپ لوگ چندہ اکٹھا کر کے بچے کو کفن دیں، اور اس کی قبر کہیں بھی بنا دیں۔ میں جا رہی ہوں۔

بچے کی اصل قبر تو میرے دل میں بن چکی تھی۔

میں پھر دوہری چیخ کے ساتھ سیڑھیوں سے اُتری اور ننگے پیر سڑک پہ دوڑتی ہوئی بس میں سوار ہوئی۔

ڈاکٹر نے سمجھا شاید صدمے کی وجہ سے میں ذہنی توازن کھو بیٹھی ہوں۔ کنڈکٹر نے مجھ سے ٹکٹ نہیں مانگا اور لوگ بھی ایسے ہی دیکھ رہے تھے۔ میں بس سے اُتری، کنڈکٹر کے ہاتھ پر پانچ روپے رکھتے ہوئے، چل نکلی۔ گھر؟ گھر!! گھر پہنچی۔

گلاس میں دودھ رکھا ہوا تھا۔

کفن سے بھی زیادہ اُجلا۔

میں نے اپنے دودھ کی قسم کھائی۔ شعر میں لکھوں گی، شاعری میں کروں گی، میں شاعرہ کہلاؤں گی۔ اور دودھ باقی ہونے سے پہلے ہی میں نے ایک نظم لکھ لی تھی، لیکن تیسری بات جھوٹ ہے، میں شاعرہ نہیں ہوں۔ مجھے کوئی شاعرہ نہ کہے۔ شاید میں کبھی اپنے بچے کو کفن دے سکوں۔

آج چاروں طرف سے شاعرہ! شاعرہ! کی آوازیں آتی ہیں، لیکن ابھی تک کفن کے پیسے پورے نہیں ہوئے۔

سارا شگفتہ

شلی بی

تُجھے جب بھی کوئی دُکھ دے
اُس دُکھ کا نام بی رکھنا
جب میرے سفید بال
تیرے گالوں پہ آن ہنسیں ، رولینا
میرے خواب کے دُکھ پہ سولینا
جن کھیتوں کو ابھی اگنا ہے
اُن کھیتوں میں
میں دیکھتی ہوں تیری انگیا بھی
بس پہلی بار ڈری بی
میں کتنی بار ڈری بی
ابھی پیڑوں میں چھپے تیرے کماں ہیں بی
میرا جنم تو ہے بی
اور تیرا جنم تیری بی
تُجھے نہلانے کی خواہش میں

میری پوریں خون تھوکتی ہیں

رنگ چور

لو شام ہو رہی ہے

اور اُس نے ہمارے چہرے چوری کرنے شروع کر دئے ہیں

تم چھوٹے چور ہو

میں چھوٹا چور نہیں

سمندر میں اُترا

تو سمندر نے میرے کپڑوں کا کوئی رنگ نہ چُرایا

ہاں تھوڑے سے میرے سانس ضرور

اُس نے چوری کر لئے تھے

معلوم ہوتا ہے یہ بھی چور ہے

تم نے کبھی مٹی میں غوطہ لگایا ہے

مٹی چوری کرنا بڑا مشکل کام ہے

افر میں نے مٹی میں غوطہ لگایا

تو وہ میرے سارے سانس چوری کر لے گا

تو پھر یہ بندہ چور چور نہیں رہے گا
راستے میں تو کئی راہیں رنگی ہوں گی
اور اُن دیکھے نے بعض جگہ
ایک ہی رنگ رنگا ہوا ہے
تم غاروں کے رنگ چوری کر سکتے ہو
سچ پوچھو تو سب سے بڑا رنگ چور سُورج ہے
رنگ تک پہنچتے پہنچتے یہ تمہیں کئی رنگ دکھا جائے گا
دیکھنا آئینے میں ہماری آنکھیں ایک سی تو نہیں لگ رہیں !
کبھی ہوا کو بھی شیشہ کہتے ہیں
دیکھ !

ہوا تیرے کپڑے بھی پکڑ رہی ہے اور میرے بھی
کہیں یہ بھی تو چور نہیں
تم چوری کرنے نکلے ہو کہ رنگ ہونے
دیکھو !

سمندر جب سطح پر آتا ہے
تو سفید ہو جاتا ہے
اور ہوا جب پیڑوں پر چڑھ

ناچتی ہے تو ہری ہو جاتی ہے

آدمی جب روتا ہے اپنے آنسوؤں میں ڈوب جاتا ہے

اُس وقت تم آدمی کا کوئی رنگ چوری نہیں کر سکتے

بتاؤ

آسمان کا رنگ زمین پر کیسے اُترا

تمہیں اتنی باریکیاں بت دوں

تو خود ہی چوری ہو جاؤں

چوری کرو پہلے اس پتھر کا رنگ بھی

اِس کو جتنا توڑتا ہوں

ایک ہی رنگ کی آواز دیتے ہیں یہ پتھر

اور رنگ چُورا چُورا ہو جاتے ہیں

پانی بھی اپنا رنگ نہیں نکال رہا

کہیں یہ بھی روتا ہوا آدمی تو نہیں

ٹوٹے پھول کی گفتگو بھی خنجر ہو گئی ہے

جو پھول شام میں توڑے تھے

انہیں رات کے اندھیروں نے کالا کر دیا ہے

آہستہ آہستہ چلو

ہماری آہٹ پا کر کوئی رنگ چھپ نہ جائے

یہ آگ بُجھ نہیں سکتی

آگ بُجھ گئی تو تم چور نہیں رہو گے

اندھیرے روشنیاں چوری کرتے ہیں

یہ خود چور ہوتے ہیں۔۔۔

میں نے چوری نہ کی تو میرا گھر بے انگارہ رہ جائے گا

میری روٹی کا رنگ سفید پڑ جائے گا

میری بھوک رنگ رنگ پکارے گی

مجھے ٹوٹے پھولوں کے پاس لے جائے گی

اور پھول جانتے ہیں کہ میں چور ہوں

جب آنکھوں کی کینچلی چوری ہو جاتی ہے

انسان ایسے ہی رنگ چوریاں کرنے نکل کھڑا ہوتا ہے

میں نے سمندر کا رنگ چُرایا تھا تو فرش بنایا تھا

آنکھوں کے رنگ چُرائے تھے تو دیواریں بنائی تھیں

سُورج کا رنگ چُرایا تھا تو چُلوہا بنایا تھا

چُغلی کا رنگ چُرایا تھا تو کپڑے سلوائے تھے

اور جب آگ کا رنگ چوری کیا

تو میری روٹی کچی رہ گئی

پتھر خاموش ہو جاتے ہیں

اور دیئے کی لو

خلا کو پھر سے جلانا شروع کر دیتی ہے

-

اے میرے سر سبز خُدا

بین کرنے والوں نے
مجھے اَدھ کھلے ہاتھ سے قبول کیا
انسان کے دو جنم ہیں
پھر شام کا مقصد کیا ہے
میں اپنی نگرانی میں رہی اور کم ہوتی چلی گئی
کتوں نے جب چاند دیکھا
اپنی پوشاک بھول گئے
میں ثابت قدم ہی ٹوٹی تھی
اب تیرے بوجھ سے دھنس رہی ہوں
تنہائی مجھے شکار کر رہی ہے
اے میرے سر سبز خُدا
خزاں کے موسم میں بھی میں نے تجھے یاد کیا
قاتل کی سزا مقتول نہیں
غیب کی جنگلی بیل کو گھر تک کیسے لاؤں

پھر آنکھوں کے ٹاٹ پہ میں نے لکھا

میں آنکھوں سے مرتی

تو قدموں سے زندہ ہو جاتی

آنکھیں دو جڑواں بہنیں

جب ہمارے گناہوں پہ وقت اترے گا

بندے کھرے ہو جائیں گے

پھر ہم توبہ کے ٹانگوں سے

خُدا کا لباس سینیں گے

تُم نے سمندر رہن رکھ چھوڑا

اور گھونسلوں سے چُرایا ہوا سونا

بچے کے پہلے دن پہ مل دیا گیا

تُم دُکھ کو پیوند کرنا

میرے پاس اُدھار زیادہ ہے اور دوکان کم

آنکھیں دو جڑواں بہنیں

ایک میرے گھر بیاہی گئی دوسری تیرے گھر

ہاتھ دو سوتیلے بھائی

جنھوں نے آگ میں پڑاؤ ڈال رکھا ہے

سنگِ میل پہروں چلتا ہے

آسمان کے سینے میں غم چرخا کات رہا ہے

سنگِ میل

پہروں چلتا ہے اور ساکت ہے

رات مجھ سے پہلے جاگ گئی ہے

لباس پر پڑے ہوئے دھبے

میرے بچوں کے دکھ تھے

میرے لہو کو تنہائیاں چاٹ رہی ہیں

شہر کی منڈیر سے تنکے چُرائے تھے

سُورج نے دکھ بنا دئے

میرے سپنوں کا داغ آنکھیں ہیں

میری قبر مجھے چھپ کر دیکھ رہی ہے

پرندے کی آنکھ کھل جاتی ہے

کسی پرندے کی رات پیڑ پر پھڑپھڑاتی ہے

رات ، پیڑ اور پرندہ

اندھیرے کے یہ تینوں راہی

ایک سیدھ میں آکھڑے ہوتے ہیں

رات اندھیرے میں پھنس جاتی ہے

رات تُو نے میری چھاؤں کیا کی !

جنگل چھوٹا ہے

اِس لئے تمہیں گہری لگ رہی ہوں

گہرا تو میں پرندے کے سو جانے سے ہوا تھا

میں روز پرندے کو دلاسہ دینے کے بعد

اپنی کمان کی طرف لوٹ جاتی ہوں

تیری کمان کیا صبح ہے

میں جب مری تو میرا نام رات رکھ دیا گیا

اب میرا نام فاصلہ ہے
تیرا دوسرا جنم کب ہوگا
جب یہ پرندہ بیدار ہوگا
پرندے کا چھہانا ہی میرا جنم ہے
فاصلہ اور پیڑ ہاتھ ملاتے ہیں
اور پرندے کی آنکھ کھل جاتی ہے

چراغ جب میرا کمرہ ناپتا ہے

چراغ نے بھُول کو جنم دینا شروع کر دیا ہے
دُور ، بہت دُور میرا جنم دن رہتا ہے
آنگن میں دھوپ نہ آئے تو سمجھو
تم کسی غیر آباد علاقے میں رہتے ہو
مٹی میں میرے بدن کی ٹوٹ پھوٹ پڑی ہے
ہمارے خوابوں میں چاپ کون چھوڑ جاتا ہے
رات کے سنائے میں ٹوٹتے ہوئے چراغ
رات کی چادر پہ پھیلتی ہوئی صبح
میں بکھری پتیاں اُٹھاتی ہوں
تم سمندر کے دامن میں
کسی بھی لہر کو اُتر جانے دو
اور پھر جب انسانوں کا سناٹا ہوتا ہے
ہمیں مرنے کی مہلت نہیں دی جاتی
کیا خواہش کی میان میں

ہمارے حوصلے رکھے ہوئے ہوتے ہیں

ہر وفادار لمحہ ہمیں چُرا لے جاتا ہے

رات کا پہلا قدم ہے

اور میں پیدل ہوں

بیساکھیوں کا چاند بنانے والے

میرے آنکُن کی چھاؤں لُٹ چکی

میری آنکھیں مَرے ہوئے بچے ہیں

اور پھر میری ٹوٹ بھُٹ

سمندر کی ٹوٹ بھُٹ ہو جاتی ہے

میں قریب سے نکل جاؤں

کوئی سمت سفر کی پہچان نہیں کر سکتی

شام کی ٹوٹی منڈیر سے

ہمارے تلاطم پہ

آج رات کی ترتیب ہو رہی ہے

مسافر اپنے سنگِ میل کی حفاظت کرتا ہے

چراغِ کمرہ ناپتا ہے

اور غم میرے دل سے جنم لیتا ہی ہے

زمین حیرت کرتی ہے
اور ایک پیڑ اُگا دیتی ہے

-

چاند کا قرض

ہمارے آنسوؤں کی آنکھیں بنائی گئیں
ہم نے اپنے اپنے تلاطم سے رسہ کشی کی
اور اپنا اپنا بین ہوئے
ستاروں کی پکار آسمان سے زیادہ زمین سُنتی ہے
میں نے موت کے بال کھولے
اور جھوٹ پہ دراز ہوئی
نیند آنکھوں کے کنچے کھیلتی رہی
شام دو غلے رنگ سہتی رہی
آسمانوں پہ میرا چاند قرض ہے
میں موت کے ہاتھوں میں ایک چراغ ہوں
جنم کے پہیے پر موت کی رتھ دیکھ رہی ہوں
زمینوں میں میرا انسان دفن ہے
سجدوں سے سر اٹھا لو
موت میری گود میں ایک بچہ چھوڑ گئی ہے

نثری نظم

شاعری جھکار نہیں جو تال پر ناچتی رہے

گیا وقت

جب خواجہ سرا ٹوٹی کمان ہوتے تھے

اور موت پر تالیاں پیٹا کرتے تھے

پازیب پہن کر میدان میں نہیں بھاگ سکتے

یہ کہیں بھی ساتھ چھوڑ سکتی ہے

غار میں چُنی چُنائی جگہ ہے

دار ہے ، با مشقت قیدی ہے

لیکن نظم میں نہ غار ہے

نہ دار ہے ، نہ مشقت ہے

پھر بھی ایک قید ہے---

جب ہم زمینوں کو پڑھنے نکلتے ہیں

تو چرند پرند کی ضرورت نہیں رہتی

انسان کی پہلی آنول نال اذیت ہے

کھیل تو کھلٹڈرا ہی رہتا ہے

ڈال کتنے رنگ بوئے گی

کون جانے ڈال کتنے رنگ بوئے گی
پر ہماری قبر ہمیں بونی نہیں
ورنہ گدائی کے طور پر
کشکول اور رات میں سمجھوتہ ہو چکا تھا
اجل کی ڈبیا میں خواہش بند ہے
سارے موسم مجھ سے شروع ہوتے ہیں
زمین دریاؤں کا کھوج لگانے کو چلی
میں اپنے رب کا خیال ہوں
اور مری ہوئی ہوں

قرض

میرا باپ ننگا تھا
میں نے اپنے کپڑے اُتار کر اُسے دے دئے
زمین بھی ننگی تھی
میں نے اُسے
اپنے مکان سے داغ دیا
شرم بھی ننگی تھی
میں نے اُسے آنکھیں دیں
پیاس کو لمس دئے
اور ہونٹوں کو کیاری میں
جانے والے کو بو دیا
موسم چاند لئے پھر رہا تھا
میں نے موسم کو داغ دے کر چاند کو آزاد کیا
چتا کے دھوئیں سے میں نے انسان بنایا
اور اُس کے سامنے اپنا من رکھا
اُس کا لفظ جو اُس نے اپنی پیدائش پر چُنا

اور بولا !

میں تیری کوکھ میں ایک حیرت دیکھتا ہوں

میرے بدن سے آگ دُور ہوئی

تو میں نے اپنے گناہ تاپ لئے

میں ماں بننے کے بعد بھی کنواری ہوئی

اور میری ماں بھی کنواری ہوئی

اب تم کنواری ماں کی حیرت ہو

میں چتا پہ سارے موسم جلا ڈالوں گی

میں نے تجھ میں رُوح پھونکی

میں تیرے موسموں میں چٹکیاں بجانے والی ہوں

مٹی کیا سوچے گی

مٹی چھاؤں سوچے گی

اور

ہم مٹی کو سوچیں گے

تیرا انکار مجھے زندگی دیتا ہے

ہم پیڑوں کے عذاب سہیں

یا

دُکھوں کے پھٹے کپڑے پہنیں

-

ہونٹ میرے گداگر

زمین میری تھکن سے بھی چھوٹی ہے

لگام سفر سے زیادہ ہے

سو بے ارادہ ہے

میں بہت ہنسنا چاہتی ہوں

لیکن پھر شاید میرے ہونٹ جھوٹے ہو جائیں

میں تو اُسی وقت ڈر گئی تھی

جب میرا باپ میری ماں کے ساتھ

تہقہہ لگانے میں مصروف تھا

سارے قدم رُخصت ہو چکے تھے

اور ساری آنکھیں بھنبھنا رہی تھیں

میں آواز کا بدن توڑتی ہوں

میں کتنے گاروں سے بنی تھی

کون خوف کے کنویں کھود جاتا ہے

تمہیں دیکھ کر تو مجھے اپنی پستیاں یاد آ جاتی ہیں

لہو کی ٹھیکری ہی میرے کھیل بگاڑتی ہے

اور چھاؤں سے سُورج اُڑ جاتا ہے

میرا آخری قیام ہے اور لوگ راز داری میں مصروف ہیں

میں مکمل طور پر ہنس چکی ہوں

بدن کا چاک در نہیں داغ سکتا

وہ چائے کی پیالی آج تک میں نہیں اُنڈیل سکی

جو مُردہ دودھ سے بنائی گئی تھی

صبح و شام پرندے بدن سے اُڑتے ہیں

اور رات بھر پرواز میں سوتے ہیں

عالموں نے میری فال نکالی

اور میرا نام سرائے رکھا

دُنیا ہر ایک فرد کے بعد تیسری ہوتی ہے

اور دوسرا فرد غائب ہو جاتا ہے

سائے زمین کا مذہب تھے

اور پانیوں میں بل ڈالنے کے بعد

رستی زمین پہ رہن رکھ دی جاتی ہے

مجھے دیکھنے سے پہلے یہ سارے لوگ شفاف تھے
پھر میں نے ان کا خمیر گوندھا اور نمک سے کہا چکھ
آگ کی تلاش میں میرے کئی چراغ بجھ گئے
وفاداری کی گلیوں میں کُتیا کم
اور کُتا زیادہ مشہور ہے
مالکوں کو میں اپنے فٹ پاتھ کا نمبر لکھ دوں
کہ سرِ شام سورج انکار کرنے لگتا ہے
میرے گھر کی سلاخوں سے
کتنے کتوں کی زنجیریں بنتی ہیں
میں اپنی تلافی میں تمہیں شریک نہیں کروں گی
انسان دوسری غلطی کبھی نہیں کرتا
میں پھر خدا کو تیسری بار دُہراتی ہوں
کھلونے کا مقدر زیادہ سے زیادہ ٹوٹ جانا ہے

پانیوں کی بدی

پانیوں کی کمائیں

کیا سمندر شکار کرتی ہیں

میں چاند بھر روتی ہوں

اور رنگ ساز کے پاس سوتی ہوں

-

دو گھونٹ پیاس اور

بھوک کے چھونے سے وہ بیدار ہوئی

ٹہنیوں کے ٹوٹنے کی صدا پہ

دو گھونٹ پیاس اور

خدا بھوک کے بھی کتنے ذائقے رکھتا ہے

مالی ! وہ بھول میری گڑیا کے رنگ کا ہے

اور سورج مکھی میں تو تُو نے میرے بال بو رکھے ہیں

کالے گلاب جیسے میرے جوتے ہیں

اور یہ سفید بھول میری روٹی کے رنگ کا ہے

کوئی کپڑے کیسے بدل گیا

میں اپنے لباس پھیلتی جا رہی ہوں

شاید کوئی ٹھٹھر رہا ہو

کل تمہیں بانٹ دے گی

اور مٹی پہ کوئی سیدھی راہ نہیں ہے

چراغ نے چغلی سیکھی

اور قطار میں فاصلہ رکھا

وہ وہیں رہ گیا جہاں سے مجھے چلنا تھا

داغ کس کی چتا پہ جلیں گے

ٹوٹے کھلونے ہاتھوں سے آزاد ہیں

کھیل میدانوں میں رہنے لگے

بین رسیوں پہ بجائی جانے لگی

پرندوں کے چہچہانے میں بل پڑ گئے ہیں

میں کفن ہارنے چلی تھی

اور مٹی دریافت کر بیٹھی

دیواروں پہ اینٹیں مرنے لگیں

میں اُتری ہوں

تمہارے قدم کیوں گھٹ رہے ہیں

دار نے رہائی پائی کوئی نئی سزا تقسیم کرو

لہو میں آواز رہ گئی

کوئی کپڑے کیسے بدل گیا

موت کی تلاشی مت لو

بادلوں میں ہی میری تو بارش مر گئی

ابھی ابھی بہت خوش لباس تھا وہ

میری خطا کر بیٹھا

کوئی جائے تو چلی جاؤں

کوئی آئے تو رخصت ہو جاؤں

میرے ہاتھوں میں کوئی دل مر گیا ہے

موت کی تلاشی مت لو

انسان سے پہلے موت زندہ تھی

ٹوٹنے والے زمین پر رہ گئے

میں پیڑ سے گرا سایہ ہوں

آواز سے پہلے گھٹ نہیں سکتی

میری آنکھوں میں کوئی دل مر گیا ہے

آنکھوں کے دھاگے

میں جو چوراہے پہ کھڑی
اپنی کمان کی طرف لوٹنا چاہتی ہوں
وہ جو لہو میں پھنسا
کچھ اور جینا چاہتا ہے
سایہ جیسے کسی دیوار کے ساتھ شامل ہو گیا ہو
پانیوں میں جیسے الم ٹھنڈے ہو رہے ہوں
تم کہ شام کے سورج سے دھوپ چراتے ہو
میں کہ صبح کی رات بھی پُرا لیتی ہوں
اور تھکا ماندہ صبح کا تارہ
جب سارے آسمان پہ اکیلا ہوتا ہے
اُسی وقت کی قدر کرتی ہوں
تو دھرتی کا ایک دن

میری عمر کا ایک حصہ کاٹ ڈالتا ہے

-

باہر آدھی بارش ہو رہی ہے

آئینے کو شمار مت کرو
وہ ایک قدم چل نہیں سکتا
قدم اور آئینے کا تعلق
جھانکنا ہے تو آنکھ سے جھانکتے
کمرے کے باہر دن کیا ہے
باہر سرسبز پہاڑیوں کا طعنہ ہے
باہر آدھی بارش ہو رہی ہے
بالوں میں کوئی گرہ نہیں رہتی
وقت رہتا ہے

کمرے کے اندر دن کیا ہیں
آواز ملا کر کوئی صدا مت دینا
دیواروں پر چوری ہونے لگے
تو اس کا مطلب ہے
ہم دونوں محفوظ نہیں
ہوائیں زمین کی کنگھی کر رہی ہیں

آتش دان

آتش دانوں سے

اپنے دہکتے ہوئے سینے نکالو

ورنہ آخرِ دن

آگ اور لکڑی کو اشرف المخلوقات

بنا دیا جائے گا

مجھے پتھر کی آنکھ مت دینا

دو صدائیں

ایک زمین چُرا رہی ہے اور ایک انسان

مجھے میری آنکھ چُرا رہی ہے

میں مر رہی ہوں

سرگوشی میں بند انسان

اپنا لمحہ زنجیر کرتا ہے

اور اپنے دل کی گرہ کو چادر کرتا ہے

ساری منڈیریں

اُدھاری آنکھیں ہیں

سارے موسم مجھ سے شروع ہوتے ہیں

دیکھنے والو

مجھے پتھر کی آنکھ مت دینا

رات چٹکی بجاتی ہے دن کی پور سے

پیڑوں کی پائل ہوا پہنے
دریا کو ساکت کئے دیتی ہے
اور پھر سمندر نے کہا
کناروں کی گود میں میں ایک سفر ہوں
رسی کا جہاز ڈوب چکا
اور لہریں جالوں کا
اعتبار قائم کئے ہوئے ہیں
پھر یہ پتھروں کو دیکھتی لہریں
گم ہو جاتی ہیں گہرے ساکت ہجوم میں
رات چٹکی بجاتی ہے دن کی پور سے
وقت لے کر آنے لگے
جن کے پاؤں چُرا لئے گئے

اور بین دریاؤں پر بجائے جانے لگی
ہم اپنی شرمگاہوں میں چھپے بیٹھے تھے
کہ دُوسروں کی آنکھیں اُلٹ پلٹ کر دیکھنے لگے
بازوؤں اور ٹانگوں میں پیروں کا فاصلہ ہے
میں نے ایک پاؤں کاٹا
اور ایک سَنگِ میل بنا دیا

میں اپنی دیوار کی آخری اینٹ تھی

اُس نے آخری برتن گنا

اور میری پیاس بتا دی

کبھی میں اُسے کھوتی کبھی وہ مجھے ڈھونڈ لیتا

زمینی بازگشت سے دُکھوں کو زبان مل گئی

میرا مکان خالی پڑا تھا

اور میں پڑوس میں رہ رہی تھی

کہ سمندر کے کچے راستوں کی مجھے خبر ہو گئی

میں اپنے مکان کی آخری اینٹ تھی

وہ مجھ سے ٹوٹ گرے تھے

جن کے لباس میرے برابر ہو گئے تھے

وہ مجھے مہنگی آنکھ سے دیکھ رہے تھے

اور کرن کا درد شدید تھا
وہ میرے تھے اور ہاں کہہ گئے تھے
ہمارے درمیان زمین سو گئی تھی
وہ نیند میں گنگنا رہے تھے
اُس نے مجھے سُورج کے دو رنگ گنوائے
تو میں اُس کا چاند بُوجھ گئی
رات دیواروں میں رہنے لگی
پھر سُورج کبھی نہ لوٹا
میں اپنی آنکھیں سینک رہی تھی
کہ پتھر چٹ گئے
اور دروازوں کی طرف دیواریں بڑھ گئیں
میں لہو میں گھل مل گئی تو آنکھ بول اُٹھی
بھُول چُن لیتی تو مٹی کا دیدار کیسے کرتی
پگڈنڈی پُکاری
سنگِ میل جھوٹا ہے
آنکھ کے پاس ہے سیدھی راہ
وہ میری آنکھوں کے ہم بستر تھے

من سائکا کہاں رکھتی

میری رات انسان خرید لائی ہے ، چُپ مت رہنا
منڈیروں پر دوپٹے سکھانے والیاں کیا گھر میں ہیں

سُورج کسی کی کیاری ہے

چاند دو گھونٹ پیاس اور

ہاتھ جھٹک کر میں تو پیدل چل نکلی

جنگل رکھتی ہوں ، مجھے اپنی اپنی بولیاں تو دو

چاند کتنا تنہا ہے

پنجرے کا سایہ بھی قید ہے
لباس کا سایہ میں ہوتی جا رہی ہوں
میرے ہاتھ دوسروں میں بس رہتے ہیں
مٹی اکیلی ہو گئی ہے
اکیلا دریا سمندر کیوں گیا
فیصلہ کتنا تنہا ہے
رُوٹھ رُوٹھ جاتی ہوں مرنے والوں سے
اور جاگ اُٹھتی ہوں آگ میں
گونج رہی ہوں پتھر میں
دُوب چلی ہوں مٹی میں کون سا پیڑ اُگے گا
میرے دُکھوں کا نام بچہ ہے
میرے ہاتھوں میں ٹوٹے کھلونے

اور آنکھوں میں انسان ہے
بے شمار جسم مجھ میں آنکھیں مانگ رہے ہیں
میں کہاں سے اپنی ابتدا کروں
آسمانوں کی غم میری غم سے چھوٹی ہے
پرواز زمین نہیں رکھتی
ہاتھ کس کی آواز ہیں
میرے جھوٹ سہہ لینا
جب جنگل سے پرندوں کو آزاد کر دو

چراغ کو آگ چمکھتی ہے
میں ذات کی منڈیر پر کپڑے سکھاتی ہوں
میرے فاصلے میں آنکھ ہے
میرے لباس میرے دکھ ہیں
میں آگ کا لباس پہننے والی
اپنی چھاؤں کا نام بتاؤں
میں تمام راتوں کے چاند تمہیں دیتی ہوں

بیساکھیاں

بیساکھیوں میں لگی آگ

کون جانے زندہ کون ہے

گھڑی یا وقت

ہڈیوں کی بیساکھیوں پر جذبے اترے

اور ایک بیساکھی دل جو جلتی رہتی ہے

دُکھ کی تلاشی رہتی ہے

کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پہ جو جذبے جل رہے ہیں

اپنی بیساکھیاں بھول گئے ہیں

اور تم جو مجھے گن رہے ہو

اپنی بیساکھی بھول رہے ہو

رُوح کی تن آسانی سے بیساکھیوں کا پیمان باندھا

اور مجھے کہا۔۔۔

تو ساری بیساکھیاں میری طرف دیکھنے لگیں

دیپ کے من میں جو بیساکھی جل رہی ہے

وہ میرا دل تھا

بیساکھی جو مُردہ پیڑ سے بنائی گئی ہے

کتنے سچے موسم رکھتی ہے۔۔۔

-

میرے تینوں بھول پیاسے ہیں

ماں کے آنسو اب زمیں پہ گرنے لگے ہیں

اور لوگ ہنسنے لگے ہیں

میرے پاس اور بھی موت کے سات روز ہیں

الوداع کیا ایسی ہوتی ہے !

کہ میرا ہاتھ تھمنے والا ہے

میری قمیض کے دھاگوں سے داستانیں لکھی جائیں گی

رونا مت ، میرا لہو بہت اُداس تھا

میرے کتبے پہ بھولوں کو دُہرانا مت

اُڑ جانے والی آنکھیں کہیں نہ کہیں تو بس رہی ہوتی ہیں

پگلی میں نہیں اُس کا قدم تھا

جو میرے لہو میں داخل ہو گیا تھا

کاش میں آنکھیں تمہیں باندھ کر دے سکتی

سب سے زیادہ فضول خرچ آنکھ ہوتی ہے

میں نے تو بہت ہنسی بانٹی تھی

یہ میرے ہونٹوں سے کیسے گر گئے۔۔۔۔۔

کون میرے نام کی روٹی دے کر بھوکا رہتا ہے

کون مجھے کاندھا دے کر گزر جاتا ہے

میرے گجرے کے تین پھول پیاسے ہیں۔۔۔

اس سے پہلے کہ میں مٹی میں رچ جاؤں

میرے ساتھ انصاف کرنا۔۔۔۔۔

میرے راستوں کی بھول مجھے معاف کرنا

کہ کنویں میں ڈولتی رسی جل تو سکتی ہے

پیاس نہیں بُجھا سکتی

کس کس کے ہاتھ پہ آنکھیں رکھ دوں

اور کس کس کو الوداع نہ کہوں

قید خانہ شروع ہوتا ہے

انسان وہ ہے جو بدی کو بھی ایمانداری سے خرچ کرے

ہمارا آدھا دھڑ نیکی ہے اور آدھا دھڑ بدی ہے۔۔۔

لفظ بڑا آدم خور ہوتا ہے

تم سے ایک قید خانہ شروع ہوتا ہے۔۔۔

میرے لب ملتے تو لوگ ہنستے

مگر میری کھٹ پتلی مجھ سے خوش تھی۔۔۔۔

میں پلو سے پیسے چراتی رہی

میں نے یہ پیسے کبھی خرچ نہیں کئے ، خیرات کر دئے

میں نے مول صراحیاں بھریں

پیاس مجھے مہنگی پڑی۔۔۔۔

بتانے والوں نے بتایا

تیری کوکھ سے پیدا ہونے والے تیرے صبر سے مر گئے

اور سخی لونڈی ملک بدر کر دی گئی

جب سے سمندر قریب رہنے لگا ہے

محلے کے بچے دُور تک نہیں جاتے۔۔۔

ان کی مائیں انہیں بتاتی ہیں

کہ کھیل سے زیادہ گیند مہنگی ہوتی ہے

بتانے والوں نے بتایا

تمہاری ماں کھانس رہی ہے

اور دوا سے خالی شیشی تک چار آنے میں آتی ہے

اُس کا دُکھ یا تو میں ہوں

یا کسی بھی علاقے کی کوئی ایک قبر

ناگ منی کا بھی ایک تہوار ہوتا ہے

لیکن میں اتنی زہریلی ہو چکی ہوں

کہ اپنے من کے گرد نہیں ناچ سکتی۔۔۔

مور اپنے پاؤں دیکھ کر روتا ہے

میں اپنے انسان دیکھ کر روتی ہوں۔۔۔

ان کھیتوں کی اُجرت ہی ہماری بھوک ہے

جوتی کے ٹوٹنے پہ ایک کیل ٹھونک دی جاتی ہے

اور ایک سفر ایجاد کر دیا جاتا ہے۔۔۔

کسی بچے کو سوچ کے فن پارے ادا کرنے ہوں گے

اور کوئی ٹکسال بہہ جائے گا۔۔۔

سورج نکلنے سے پہلے

اس محلے کا نام تبدیل ہو جائے گا

اور سنگِ میل پہ بچوں کی عمر لکھ دی جائے گی

میں بھی پہلے پیڑوں کی طرح سوچا کرتی تھی

جانے والے کو مبارکباد دیتی تھی

اور آنے والے کو الوداع۔۔۔

سلاخ تراشو کہ قید کا نیا مفہوم سامنے آئے

گھڑی جو دیوار ہو چکی تھی

تمہارا دوسرا سراپا!

میری ماں فوت ہو چکی ہے۔۔۔

میرے دوست سمندر!

میرے بٹن تیرے سینے میں کہیں دفن ہو گئے

میرے آنکھ کے پودے کی قمیض میں

کسی نے بٹن ٹانگ دیئے

پودا بڑھ گیا میری دیوار چھوٹی پڑ گئی

جیسے میرے سراپے کو نئی اور پرانی گھڑیوں کی

سُویوں سے سی دیا گیا ہو

پرانی گھڑی کی سُوی

اور چادر کے تار سے بٹن لگاتی ہوں

تمہاری چادر کے دو تار کم ہو گئے

یہ چادر بھی لے لو اور پرانی گھڑی کی سُویاں بھی۔۔۔

اور گھڑی جو دیوار ہو چکی

-

پانیوں کے دھاگے

میں جو چوراہے پہ کھڑی
اپنی کمان کی طرف لوٹنا چاہتی ہوں
وہ جو لہو میں پھنسا

کچھ اور جینا چاہتا ہے۔۔۔۔
میرا سایہ جیسے کسی دیوار کے ساتھ شامل ہو گیا ہو
آنکھوں کے دھاگے پانیوں میں بہا دئے گئے ہوں
تم کہ شام کے سورج سے دھوپ چراتے ہو
میں کہ صبح کی رات بھی چڑا لیتی ہوں۔۔۔
تھکا ماندہ صبح کا تارہ

جب سارے آسمان پر اکیلا ہوتا ہے
اُسی وقت کی قدر کرتی ہوں۔۔۔۔

دوسرا پہاڑ

یہ دوسرا پہاڑ تھا

جہاں چیزوں میں میری عمر کے کچھ حصے پڑے تھے

میں یہاں سے کتنی بے ترتیب گئی تھی

اور میں اپنا دن گرد کر کے آ رہی تھی

ساری چیزوں نے مجھے گلے لگایا

میں نے چھوٹے جوتے چھابڑی والے کو فروخت کر دئے

اور سکے ہینگر میں پڑے چھوٹے کپڑوں میں ڈال دئے

میں آئینے کے سامنے کھڑی ہوئی

اور اپنی آنکھوں کی جھڑیاں گننے لگی

آگ پرندے سینے لگی

تو بھوک میری ایڑی سے ڈر نکلی

چیونٹی بھر آتا

ہم کس دُکھ سے اپنے مکان فروخت کرتے ہیں
اور بھوک کے لئے چیونٹی بھر آتا خریدتے ہیں
ہمیں بند کمروں میں کیوں پرو دیا گیا ہے
ایک دن کی عمر والے تو ابھی دروازہ تاک رہے ہیں۔۔۔
چال لہو کی بوند بوند مانگ رہی ہے
کسی کو چُرانا ہو تو سب سے پہلے اُس کے قدم چُراؤ۔۔۔۔
تم چیتھڑے پر بیٹھے زبان پہ پھول ہو
اور آواز کو رسی کور

انسان کا پیالہ سمندر کے پیالے سے مٹی نکالتا ہے
مٹی کے سانپ بناتا ہے اور بھوک پالتا ہے
تینکے جب شعاعوں کی پیاس نہ بُجھا سکے تو آگ لگی

میں نے آگ کو دھویا اور دھوپ کو سکھایا

سورج جو دن کا سینہ جلا رہا تھا

آسمانی رنگ سے بھر دیا

اب آسمان کی جگہ کورا کاغذ بچھا دیا گیا

لوگ موسم سے دھوکا کھانے لگے

پھر ایک آدمی کو توڑ کر میں نے سورج بنایا

لوگوں کی پوری کنویں میں بھر دیں

اور آسمان کو دھاگہ کیا

کائنات کو نئی کروٹ نصیب ہوئی

لوگوں نے اینٹوں کے مکان بنانا چھوڑ دئے

آنکھوں کی زبان درازی رنگ لائی

اب ایک قدم پہ دن اور ایک قدم پہ رات ہوتی

حالِ جرأتِ گذشتہ ہے

آتیرے بالوں سے شعاعوں کے الزام اٹھالوں

تم اپنی صورت پہاڑ کی کھوہ میں اشارہ کر آئے

کُند ہواؤں کا اعتراف ہے

سفر ایڑی پہ کھڑا ہوا

سمندر اور مٹی نے رونا شروع کر دیا ہے

بیچے اور بازو کو دو بازو تصور کرنا

سورج آسمان کے کونے کے ساتھ لٹکا ہوا تھا

اور اپنی شعاعیں اپنے جسم کے گرد لپیٹ رکھی تھیں

میں نے خالی کمرے میں معافی رکھی

اور میرا سینہ دوسروں کے دروازے پر دھڑک رہا تھا

یہ روز کون مر جاتا ہے

میں ٹوٹے چاند کو صبح تک گنوا بیٹھی ہوں

اس رات کوئی کالا بھول کھلے گا

میں اُن گنت آنکھوں سے ٹوٹ گری ہوں، میرا لہو کنکر کنکر ہوا

میرے پہلے قدم کی خواہش دوسرا قدم نہیں

میرے خاک ہونے کی خواہش مٹی نہیں

اے میرے پالنے والے خدا؟

مرا دکھ نیند نہیں ترا جاگ جانا ہے

کون میری خاموشی پہ بین کرتا ہے

کون میرے سکھ کے کنکر چھنتا ہے

یہ روز، یہ روز کون مر جاتا ہے

جاگ اپانچ بچوں کے رب

کہ میری آنکھیں جوان ہوئیں
نیت کی آستین پر رات پھنکارتی ہے
وقت کی سلاخوں پر
انسانوں کے چراغ جلائے جاتے ہیں
میں اپنے لہو سے ، اپنے جذبے چُنتی
تو میرے ہاتھ جل جاتے
اِس بھوک کا میرے بچوں کے ساتھ
انکار دیکھ

بے وطن بدن کو موت نہیں آتی

ٹوٹے ہو !

ذرا اور لہو اٹکا کرو

گناہ کی چادر انسان کی چادر سے چھوٹی ہوتی ہے

حیرت ہے تمہاری آواز خاموش ہو رہی ہے

دُکھ کے کنویں سے آواز لوٹ آتی ہے

شام کا لباس پہننے والے

تیرے پاس سُورج کا آخری سانس بھی تو ہے

بھلا کہاں آواز کی بولی لگتی ہے

گلیوں کو تنہا چھوڑنے والے

گناہ کی دلیز پر قدم رکھ کے چل

کہ توبہ کرنے والے تیرے ساتھ ہیں۔۔۔۔

یہ تیسری بات ہے کہ کون کہاں سے ٹوٹا
بھوک کی بولی لگانے والا چھوٹا آدمی نہیں ہوتا۔۔۔۔
آؤ ہم زمینوں کو نگل کر ایک گھر بنائیں
میں تیرے کفن کی گواہی دیتی ہوں
کہ مٹی ہوں۔۔۔۔

تیرے ایک آنسو کی موت پہ کتنے گناہ روتے ہیں
ہمیں پتھر کو دیکھنا ہی ہوتا ہے
جب تک ہمارا لہو کنکر کنکر نہ ہو جائے۔۔۔۔

انسان سے ضبط تو ہاں مانگتی ہے انکار کہاں
مجھے اپنے بے وطن بدن کی قسم
روٹی ہمیشہ آگ پر پکتی ہے۔۔۔۔
مٹی کو بھوک لگے تو قبر بنتی ہے
بھوک تو انسان کا وطن ہے۔۔۔۔

بتاؤ، قدم نہ ہوں تو آنکھوں کی کون سی حد ہے
موت تمہارا اثاثہ ہے
مٹی کتنے خواب دیکھتی ہے۔۔۔۔

تم نے رات میں پنچھی آزاد کر دئے

شام کا انتظار کیا ہوتا

رات دن ہماری عمر کی سرگوشیاں ہیں ، ہماری کہاں

کیسے ٹہلتا ہے چاند آسمان پہ

جیسے ضبط کی پہلی منزل۔۔۔

آواز کے علاوہ بھی انسان ہے

آنکھوں کو چھو لینے کی قیمت پہ اُداس مت ہو

قبر کی شرم ابھی باقی ہے

ہنسی ہماری موت کی شہادت ہے

لحد میں پیدا ہونے والے بچے

ہماری ماں آنکھ ہے

قبر تو مٹی کا مکر ہے

پھر پرندے سورج سے پہلے کسی کا ذکر کرتے ہیں !

آواز کے علاوہ بھی انسان ہے

ٹوٹے ہو !

ذرا اور لہو انگار کرو

کہ میں ایک بے لباس عورت ہوں

اور جتنی چاہوں آنکھیں رکھتی ہوں

میں نے آواز کو تراشا ہے

ہے کوئی میرا مجسمہ بنانے والا

اپنی قسمت پہ اُداس مت ہو

موت کی شرم ابھی باقی ہے

مجھے چادر دینے والے

تجھے حیاتِ کدھ لگ جائیں

مجھے لفظ دینے والے

کاش عورت بھی جنازے کو کاندھا دے سکتی

ہر قدم زنجیر معلوم ہو رہا ہے اور میرا دل تہہ کر کے رکھ دیا گیا ہے

شور مجھے لہولہان کر رہا ہے

میں اپنی قید کاٹ رہی ہوں اور اس قید میں

کبھی ہاتھ کاٹ کر پھینک دیتی ہوں

کبھی آواز کاٹ کاٹ کر پھینک رہی ہوں

میرا دل دلدل میں رہنے والا کیڑا ہے اور میں قبر سے دھتکار ہوئی لاش

سڑاند ہی سڑاند سے میری آنکھوں کا

ذائقہ بد روح ہو رہا ہے

اور میں انسان کی پہلی اور آخری غلطی پر دُم ہلائے
بھونکتی جا رہی ہوں

میں جب انسان تھی تو چور کی آس تک نہ تھی میں
آنکھوں میں صلیب اور دل میں اپنی لاش
لئے پھرتی ہوں

سچائیوں کے زہر سے مری ہوں
لیکن دنیا گورکن کو ڈھونڈنے گئی ہوئی ہے
وہ مجھے آباد کرتا ہے اور آباد کہتا ہے
میں ہری بھری پیاس سے زرخیز ہو جاتی ہوں
اور پھولوں کو مٹی میں دفنانے لگتی ہوں
درد میرے اژدھے کا نام ہے

اور سانپ کی بھوک میرا گھر ہے
پناہ گاہوں کی چھاؤں مجھے کاٹ رہی ہے
اور میرے گدلے لہو میں کاغذ کی ناؤ
چل پھر رہی ہے

اور میں ناؤ کو آنکھوں میں سُلا دینا چاہتی ہوں
کہ یہ ناؤ

کاغذ کی ناؤ

میرے بچوں کی

ناؤ ہے

-

زندگی کی کتاب کا آخری صفحہ

(اقتباس)

دیکھتے ہی دیکھتے کشتی زمین سے جا ملی

ابھی تو اور سمندر ڈھونڈنا تھا

رات بہت تڑپلی زمین پہ میں

ماں خاموشی سے بیٹھی مجھ رہی تھی

زندگی کے ہاتھ پیلے کر ہی دوں ، کیا بھروسہ اس گڑی کا

میں بھی تو رنگ رنگ اڑتی پھروں خلاؤں میں

آنکھ گھٹ کے رہ گئی ہے

موت قہقہہ لگانا چاہتی ہے

لیکن میرے پاس وقت اور ہنسی کم ہے

بدن سے دل اکھڑ گیا ہے

بے خبری ٹھنڈے قدم چلنے لگی ہے

اور وہ بال کھولے مجھے بلا رہی ہے

-

آنکھیں سانس لے رہی ہیں

اگر اُنکی کاٹ کے سوال پوچھا جائے گا

تو جواب بے پور ہو گا

گھر آؤ! دیکھو انسان اور لہو آنے سامنے کھڑے ہیں

کیا جواب دیں تمہیں یہ نچڑی دیواریں

جن کی اینٹیں زمین کے اندر دفن ہو چکی ہیں

تنہائیوں کی نوکیں میرے اعضاء میں پیوست کر دی گئی ہیں

پھر بھی کہتے ہو، آؤ باغ کو چلیں

میں اپنی آنکھوں پہ زندہ ہوں

میرے لب پتھر ہو چکے ہیں

اور کسی سنگ تراش نے ان کا مجسمہ

کسی پہاڑ کی چوٹی پر نصب کر دیا ہے

میں لہو سے بیگانی ہوں

میرے جذبے اپانچ کر دیئے گئے ہیں

میں مکمل گفتگو نہیں کر سکتی

میں مکمل اُدھار ہوں

میری قبر کے چراغوں سے ہاتھ تاپنے والو

ٹھٹھرے وقت پر ایک دن میں بھی کانپی تھی

کاش آنکھیں آواز ہوتیں

زنگ کی دھار میرے لہو میں رنج رہی ہے

بتاؤ! تھوڑے پھول دو گے

تیور زنگ آلود ہو چکے ہیں

میں نے کسی سے شاید وعدہ کر لیا تھا

مُسکراہٹ ہنسے گی تو آنکھیں ہنسیں گی

یہ تو لفظ کھڑکی کا پردہ ہوئے

لیکن دیوار کا پردہ نہ ہو سکے

رفتہ رفتہ پتھر میری گردن تک آ پہنچے ہیں

ڈر ہے کہیں میری آواز پتھر نہ ہو جائے

یہاں تو روز مجھے میری قبر سے اُکھاڑا جاتا ہے

کہ لوگ میری زندگی کے گناہ گن سکیں

یہاں تو میرے لہو کی بوند بوند کو رنگا جا رہا ہے

لوگوں کی پُوریں انگارہ ہو رہی ہیں

میں کس سے ہاتھ ملاؤں

کہ میری یاد کے ساتھ ہر ہر دل میں

ایک پتھر نصب کر دیا گیا ہے

میں نے نہیں کہا تھا

سُورج ہمیشہ میرے کپڑوں کا رنگ چُرا لے جاتا ہے

میرے قدم مجھے واپس کر دو

یہ اُدھار مہنگا ہے

میرا دوکان چھوٹی ہے

جانے کون سی سڑک پہ ہم دوڑے تھے

میں پُوری مٹی میں چھپ گئی

اور تم مٹی میں پانی چھڑکا کے

سوندھی سوندھی خوشبو اپنے جذبے میں لئے

اپنی زندگی کے دن بڑھا رہے ہو۔۔۔۔۔

دیکھ تیرا چاند پتھر پہ لڑھک آیا ہے

اب کون سے چاند کو دیکھ کر

لوگ دعائیں مانگیں گے

میرا کفن زہریلے دھاگوں سے سیا جا رہا ہے

اور تم کہتے ہو

سفید لباس میں تم کتنی اچھی لگتی ہو۔۔۔۔

میرے مقبرے پر تھوکنے والے

جب کورے کاغذ کو آگ رنگتی ہے

مجھے کیوں بھول جاتے ہو۔۔۔۔

جب انگارے شاخوں کو یاد کرتے ہیں

تو تم اپنے آتش دان روشن کر لیتے ہو۔۔۔۔

دیکھ! میں مٹی میں سمٹی جا رہی ہوں

پھر تجھ سے ہاتھ ملانے کی خواہش آنکھوں تک آ جائے گی

تم مٹی اکھاڑو گے

ایک پرندے کی لاش نکلے گی

جسے کسی بچے نے انتہائی محبت سے دفن کیا ہوگا

تم پھر مٹی اکھاڑو گے

میں مٹی میں لیٹی ایک دن تمہیں مل جاؤں گی

اور تمہیں اپنی آنکھوں میں دفن کر لوں گی

تم پھر مٹی اکھاڑو گے

اور مٹی کی لکیر کبھی بھی نہیں مرتی

شاخوں کو کاندھا دیتے ہوئے لوگ

میرے سفید لباس پہ بھٹول رکھنے والے لوگ

میرے اعضاء میں کاندھا بدل رہے ہیں

میرے لہو میں دوڑنے والے

تیرے قدم پھسل رہے ہیں

شاید زمین دو شاخہ ہو گئی ہے

یا دکھ اور سکھ میں ہماری آواز رنگ دی گئی ہے

میں آہستہ دیکھا کروں گی

کہ وقت کی پیشانی کے تیور گن سکوں

میں آہستہ سویا کروں گی

کہ نیند میری زندگی کو بھگا کر نہ لے جائے

میں آہستہ رویا کروں گی

کہ آنسو اور آواز انسان کو مکروہ نہ کر سکیں

میں مٹی پہ آہستہ قدم رکھوں گی
کہ مٹی میں میرے دکھ پیوست نہ ہو سکیں
کاش انتقال کرنے سے پہلے
میں اپنا دل کہیں بوسکتی
خُدا نے کاش اعضاء بونے کی اجازت دی ہوتی
شاید میں اپنا دل کہیں بوسچکی ہوں
سینہ محبت کرنے والوں کی پہلے قبریں تیار کرتا ہے
پھر ایک دوسرے کے سینے میں
کھدی ہوئی قبر میں دفن کر دیئے جاتے ہیں
آنکھوں کے اسباب کسی قُلی کو تھما دیئے جاتے ہیں
چوراہے پہ بنائے ہوئے مجسمے کو نظر انداز کرتے ہوئے لوگ
انہیں کیا خبر
جس کا مجسمہ نصب کر دیا گیا ہے
وہ زندہ ہے یا مُردہ
میں نے دروازے کو نگاہ کیا
دروازے نے مجھے نگاہ کیا
گھر سے مت جانا

آج ہواؤں کو دراصل پاگل کُتے نے کاٹ لیا ہے
مُسافروں سے اپنی ساری زندگی کی باتیں مت کرو
جانے کون سے سنگِ میل پہ پلک جھپک جاؤں
میرے آنکھن میں جتنی دُھوپ تھی
اُس سے میں نے تمہارے کپڑے سکھا دیئے
میرا گھر پانیوں سے بنا دو
کہ روانی میری رُوح ہے
آج میں تم سے تنگی باتیں کروں
کہ میرے بچپن کے لباس چھوٹے ہو گئے ہیں

بدن سے پوری آنکھ ہے میری

جاؤ جا نماز سے اپنی پسند کی دُعا اٹھا لو
ہر رنگ کی دُعا میں مانگ چکی
باغباں دل کا بیج تیرے پاس بھی نہ ہو گا
دیکھ دھوئیں میں آگ کیسے لگتی ہے
میرے پیرہن کی تپش مٹی کیسے جلاتی ہے
بدن سے پوری آنکھ ہے میری
نگاہ جو تنے کی ضرورت ہی کیا پڑی ہے
میری بارشوں کے تین رنگ ہیں
ٹوٹی کمان پہ ایک نشان خطا کا پڑا ہے
ہم چاہیں تو سورج ہماری روٹی پکائے
اور ہم سورج کو تندور کریں

فیصلہ چکا دیا خطا اپنی بھول گئے
نذر کرنے آئے تھے چٹکی بھر آنکھ
آنکھ تیری گلیوں میں تو بازار ہیں
زمین آنکھ چھوڑ کر سمندر میں سو رہی
جنگل تو صرف تلاش ہے
گھر تو کائنات کے پچھواڑے ہی رہ گیا
شکار کمان میں پھنس پھنس کر مرا
تم کیسے شکاری
آنکھیں تیوروں سے جل رہی ہیں
جسم زندگی کی ملازمت میں ہے
تنہائی کشکول ہے
ہم نے آنکھوں سے شمشیر کھینچی
اور درخت کی تصویر بنائی
رات گود میں سُلائی
اور چاند کا جُوتا بنوایا
ہم نے راہ میں اپنے پیروں کو جنا

آدھا کمرہ

اُس نے اتنی کتابیں چاٹ ڈالیں
کہ اُس کی عورت کے پیر کاغذ کی طرح ہو گئے
وہ روز کاغذ پہ اپنا چہرہ لکھتا اور گندہ ہوتا
اُس کی عورت جو خاموشی کاڑھے بیٹھی تھی
کاغذوں کے بھونکنے پر سارتر کے پاس گئی
تم راں بو اور فرائیڈ سے بھی مل آئے ہو کیا
سیفو! میری سیفو! میرا بائی کی طرح مت بولو
میں سمجھ گئی، اب اُس کی آنکھیں
کیٹس کی آنکھیں ہوئی جاتی ہیں
میں جو سوہنی کا گھڑا اٹھائے ہوئے تھی
اپنا نام لیلیٰ بتا چکی تھی
میں نے کہا
لیلیٰ مجمع کی باتیں میرے سامنے مت دہرایا کرو

تنہائی بھی کوئی چیز ہوتی ہے
شیکسپیئر کے ڈراموں سے چُن چُن کر اُس نے ٹھمکے لگائے
مجھے تنہا دیکھ کر

سارتر فرائیڈ کے کمرے میں چلا گیا

وہ اپنی تھیوری سے گر گر پڑتا

میں سمجھ گئی اُس کی کتاب کتنی ہے

لیکن بہر حال سارتر تھا

اور کل کو مجمع میں بھی ملنا تھا

میں نے بھیڑ کی طرف اشارہ کیا تو بولا !

اتنے سارے سارتروں سے مل کر تمہیں کیا کرنا ہے

اگر زیادہ ضد کرتی ہو تو اپنے وارث شاہ ،

ہیر سیال کے کمروں میں چلے چلتے ہیں

سارتر سے استعارہ ملتے ہی

میں نے ایک تنقیدی نشست رکھی

میں نے آدھا کمرہ بھی بڑی مشکل سے حاصل کیا تھا

سو پہلے آدھے فرائیڈ کو بلایا

پھر آدھے راں بو کو بلایا

آدھی آدھی بات پوچھنی شروع کی

جان ڈن کیا کر رہا ہے

سینڈ ہینڈ شاعروں سے نجات چاہتا ہے

چوروں سے سخت نالاں ہے

دانتے اس وقت کہاں ہے

وہ جہنم سے بھی فرار ہو چکا ہے

اُس کو شُبہ تھا

وہ خوجہ سراؤں سے زیادہ دیر مقابلہ نہیں کر سکتا

اپنے پس منظر میں

ایک کُتا مُسلسل بھونکنے کے لئے چھوڑ گیا ہے

اُس کُتے کی خصلت کیا ہے ؟

بیاترچے کی یاد میں بھونک رہا ہے

تمہارا تصور کیا کہتا ہے ؟

سارتروں کے تصور کے لحاظ سے

اب اُس کا رُخ گوئے کے گھر کی طرف ہو گیا ہے

باقی آدھے کمرے میں کیا ہو رہا ہے

لڑکیاں

کیا حرف چُن رہی ہیں

استعارے کے لحاظ سے

حرام کے بچے گن رہی ہیں

لڑکیوں کے نام قافیے کی وجہ سے

سارتر زیادہ نہیں رکھ پا رہا ہے

اِس لئے اُن کی غزل چھوٹی پڑ رہی ہے

زمین کے لحاظ سے نقاد

اپنے کمروں سے اُکھڑنے کے لئے تیار نہیں

لیکن انھوں نے وعدہ کیا ہے

سارے تھنکر اکٹھے ہوں گے

اور بتائیں گے کہ سوسائٹی کیا ہے

اور کیوں ہے۔۔۔۔

ویسے ہواؤں کا کام ہے چلتے پھرتے رہنا

دُور اندیش کی آنکھ کیسی ہے

سگریٹ کے کش سے بڑی ہے

وہ گھڑے سے پتھر نکال کر گن رہے تھے

اور کہہ رہے تھے میں اس گھڑے کا بانی ہوں

چائے کے ساتھ غیبت کے کیک

ضروری ہوتے ہیں

اور چُغل خوری کی کتاب کا دیباچہ

ہر شخص لکھتا ہے

زبانوں میں بُجھے تیروں سے مقتول زندہ ہو رہے ہیں

بڑا ابلاغ ہے

سُوسائٹی کے چہرے پہ وہ زباں چلتی ہے

کہ ایک ایک بندے کے پاس

کتابوں کی ریاست بندے سے زیادہ ہے

ریاست میں !

مہارانیوں کے قصے گھڑنے پر

علم کی بڑی ٹپ ملتی ہے

ہل کے سادہ کاغذ پر

علم لکھ دیا جاتا ہے

تازہ دریافت پر

ہر فرد کی مٹھی گرم ہوتی ہے

پہلے یہ بتاؤ، جھنجھنے کی تاریخ پیدائش کیا ہے

میں کوئی نقاد ہوں جو تاریخ دہراتا پھروں

کسی کا کلام پڑھ لو

تاریخ معلوم ہو جائے گی

تمہاری آنکھوں میں آنسو

میری کتاب کا دیباچہ لکھنا ہے

یہ کس کی پٹی ہے

نقاد بھائی کی

یہ کس کی آنکھ ہے

مجھے تو سیفو بھابھی کی معلوم ہو رہی ہے

اور یہ ہاتھ !

غالب کا لگتا ہے !

نکتے ہو !

زر کی امان پاؤں تو بتاؤں

جتنے نام یاد تھے بتا دیئے

لیکن تمہارا تصور کیا کہتا !

میں دم ہلانے کے سوا کیا کر سکتا ہوں

رسیاں

وہ تنہائی سے بہت خوف زدہ تھی !
اور گھر کے کونوں کھدروں میں اس کے جذبے پڑے تھے
وہ اپنے آپ سے بچھڑی بچھڑی بان کی چارپائی پر کسی پڑی تھی
اُس کے کپڑوں پر رسیوں کے لمس پیوست ہو رہے تھے
اور وہ رسیوں کو کروٹ دے رہی تھی
وہ اپنے قدموں کی پائنتی سے اُلجھ رہی تھی
بان کی آواز اُس کے کورے بدن پر میں شامل ہو کے اُسے گننے لگی
وہ اپنی آنکھوں اور ہاتھوں کی تنہائی کو بڑی تنہائی سے دیکھنے لگی
انسانوں کی ہجوم دار آنکھوں نے اُسے کنچوں کی دوکان سمجھ رکھا تھا
اور وہ رسیوں کو کروٹ دے رہی تھی
اب وہ دیوار کے کونے سے نکلنا چاہتی تھی ، اُس نے ایک جوتیوں بھری کروٹ لی

نہند کے پھندوں سے آزاد کروٹ
وہ اپنی قید بھری جوتی کو دیکھنے لگی
جو کسی بھی دکان سے مہنگی تھی
روز اس مہنگی رات میں آگ اُس کو سستی پڑ رہی تھی
اور مہنگی تنہائی کو وہ سستا نہیں کر پا رہی تھی
کہ جذبے گھر کے کونوں کھدروں سے اُسے جھانک رہے تھے
ٹاٹ کے پردے کو کبھی کبھی ہوا جھانک کر چلی جاتی تو اُس کا آسمان رسیوں پر آن گرتا
رات کی لمبی چادر صبح ہوتے ہی کفن جتنی لمبی ہو جائے گی ! وہ کہتی رہی،
مگر جانے کس سے ، اور کیا ----
اُس نے بان کی چارپائی سے ایک لمبی رسی نکالی تو رسی اتنی لمبی نکلی کہ
چارپائی میں صرف ادواین رہ گئی
اب ادواین ، رسی اور وہ اپنی اپنی تنہائیوں میں چُپ تھیں
کہ تنہائی کو وہ اور تنہائی اُسے گنگنانے لگی تو اُس نے اپنے تنہا ہاتھوں سے کہا
سیاہ وقت کے بعد چراغ کو پھونکنا لازمی ہوتا ہے !
کہ دھوپ کے گیتوں کو وہ اپنے کپڑوں کی رسیوں سے کس دے
تا آنکہ دھوپ کی آواز کو تنہا کر سکے
رات کے زندہ پر ابھی پھڑپھڑا ہی رہے تھے کہ

وہ پانتی پر رسی کی طرح لیٹ گئی

دونوں رسیاں جب ایک ہوئیں ، چراغ کی زبان کو دُہرا کر گئیں
رسیاں چراغ سے زیادہ سچی نکلیں کہ اپنا تنہا بدن نہیں بھولی تھیں
دونوں رسیاں اپنی اپنی تنہائی سے اُٹھیں !

اور تنہائی کو بڑی تنہائی سے دیکھنے لگیں ----

ننند جھوٹا پانی ہوئی

ہم دھوپ کی تمنا میں ٹھٹھرے ہوئے تھے

کہ سورج کے نیزوں پہ

ہماری صبح ہوتی ہے

ہم کس دکھ سے

اپنے مکان فروخت کرتے ہیں

اور بھوک کے لئے چیونٹی بھر آٹا خریدتے ہیں

ہمیں بند کمروں میں

کیوں پرو دیا گیا ہے

ایک دن کی عمر والے

تو ابھی دروازہ تاک رہے ہیں

ہم آئینوں میں دفن ہو چکے ہیں

ہماری آوازیں زخمی کر دی گئی ہیں
ہمیں جھوٹی چال کے لئے
جھوٹی زمین پہ چلنے کی دعوت ہے
ہمارے لباس دفن کر کے
ہمیں شرم کے حوالے کر دیا گیا ہے
ہم اپنے بدن کے گناہ
اپنی ہی آنکھوں سے چُن رہے ہیں
جیسے ساکت اسٹیشن پر
ساکت گاڑی کھڑی ہو
اور ہمارے سفر ختم ہو چکے ہوں
دل جسم کے سارے اعضاء چاہتا ہے
آنکھوں پہ کنویں جاری کرنے کا حکم
صادر ہو چکا ہے
میں اپنی قبر کو
سانس لیتے ہوئے دیکھ رہی ہوں
دریا سمندر سے آنکھ مچولی کھیلتے ہوئے
اپنے ہاتھ کٹوا لیتا ہے

اور کھدی امین سوکھی ہو جانے کے غم میں

کھیتوں کا مزاج برہم کر دیتی ہے

ہاتھ تاپنے کی قسم کھائی تھی

اور آگ میں پر دیئے گئے

اور گلیاں جب قسم کھاتی ہیں

انہیں چوراہوں میں پرو دیا جاتا ہے

پلڑوں پہ رکھے ہوئے پتھر بھی تلتے ہیں

اور دوسرے پلڑے پر

پھول تولے جا رہے ہیں

نوکری کرنے کے شوق میں

زندگی کی تنخواہ چاہتے ہیں

ہم کیسے رہن رکھے گئے امینوں پر

کہ تم ہمیں

سانس کے لوٹ آنے کی مہلت تک نہ دو

اور پوچھو تمہارے کپڑے زندہ ہیں

اور گاڑ کے سفید پرچم زمینوں پر

کسی بھی وطن کی نشاندہی نہ کرو

وہ آنسو جو میرے مرنے کے بعد

میرے دامن کو تر کریں

انہیں انہیں آنکھوں میں رہنے دینا

یہ آنکھیں ہیں کہ زخم

رات پرندہ ہوئی

نہند جھوٹا پانی ہوئی

کنوارے سمندر کا جوڑ نہ کوئی

چراغ تلے رات ہے یا ہاتھ کسی کا

بانسری میں انکی آواز

سناٹوں کی چہل قدمی

ریت پر چلتی ہوائیں

سانپوں کی شبیہیں بنائیں

اور پیڑوں نے اپنی چھاؤں

سورج کے حوالے سے ناپی

ہم نے اپنی چھاؤں اپنے دل سے ناپی

چاند آسمان پہ آنکھیں موندے

ناہینا کی جھولی دیکھتا ہے

ایک دن ایک بات کہی تھی میں نے

آنسو ہو تو آنکھوں جیسا

اس چلتے پھرتے سورج نے بھی

لو ہماری عمر پہ آنکھ ماری

بند ہاتھوں کا گہنا مٹھی

تنگ گلیوں میں دوڑتے قدم

اپنے ایک پاؤں کے ساتھ

گندی نالی باندھ لیتے ہیں

اور باغبان کُلباڑا لیے

صبح صادق سے گلشن میں خاک کھودتا ہے

جس طرح سمندر میں ڈھونڈنا مشکل ہے

اسی طرح ہم شاخ پر کھلے

پھول کی پوری پیدائش سے غافل ہیں

روٹی پر ختم ہو جانے والی زندگی

تتلیوں کو پھول سے

باندھ آنے کی سی عادت ہے

رفتہ رفتہ دہلیزیں

میرے پاؤں چھوٹے کرتی جا رہی ہیں

رفتہ رفتہ آنکھیں

اپنے ہی دل میں گڑی جا رہی ہیں

جنوں کے بادبانوں میں

چند شاخیں کاٹ کر بہا دی گئی ہیں

جن کی بہاریں مُردہ زمین پر

بے بس ہو چکی ہیں

میرے چلنے پہ

زمین نے صدا لگانا چھوڑ دی ہے

میرے پاؤں کاٹ کے

گھٹنے لگا دیئے گئے ہیں

میں خلا میں گم ہو جانے والا

شعلہ نہیں بننا چاہتی

میری مٹی میں

میری رُوح کو تشنہ کیا جا رہا ہے

آئینے پانیوں کے ساتھ تھم گئے

آدمی اپنا چہرہ دیکھنے سے محتاج ہو گیا

اس لئے دوسرے چہرے پر

اپنے زاویے بناتا چلا جا رہا ہے

قبروں پر پھیلی چھاؤں

پیڑوں کو اُداس کئے ہوئے ہے

کہ وطن تو میرا مہکار بانٹنا تھا

لفظ جیسے کسی نے زبان سے نوج کر

کسی سُکھے کنویں میں بند کر دیئے ہوں

ہوائیں صرف چیزوں کی آوازیں ہیں

اب منتظر کو

میرے پہنچنے تک کا حوصلہ رکھنا چاہیے

انسانی گارے

مُسکراہٹ کتنے چہرے رکھتی ہے

لگنوں میں تو خالی مٹی ہے

میرے نمک کا اندازہ کیسے ہوگا

دیکھنے سے کچی پکی ہو جاتی ہوں

گھر ناپتی ہوں تو اینٹ ہاتھ آتی ہے

یہ کُتا تنہائی کُتیا کی زبان رکھتی ہے

اِن ڈھیروں کو ناخن سے نکال پھیلتی

آخر فیشن بھی کوئی چیز ہے

انسانی گارے کو ترتیب دیتے دیتے

حرامزادی ہو گئی ہوں

لفظ ماری کو کہیں نہ کہیں تو پہنچنا ہی ہوتا ہے

کیا دوپٹے کے پاتال میں میں موجود نہیں

میں تو جنم کے دن بھی ننگی تھی

زندگی بار بار بچے نہیں جنتی

جو سلوک کے پتھر چباتی رہتی

بس جس کروٹ جنتی چادر آگئی

نہند کے یہ دو موتی

کالے بھی تو پڑ سکتے ہیں

پھر شام ڈوبے سورج سے کیا کہنا

کیا قید خانوں میں

سورج کی تلاشی ختم ہو جاتی ہے

یہ دن میں گھومنے والے

میری رات کیسے بن بیٹھے

بکھری ہوئی آنکھوں والے

لیکن ان کی آنکھوں کے گودام میں

میرے جیسے بے شمار گندم ہیں

بھوک کی نیت ذخیرہ کرنے سے تو رہے

آگ کے ہاتھ پر

کوئی نہ کوئی چیز تو ضرور ہوتی ہے

تو پھر ثوابِ توبہ کے حوالے کر دوں

میرے عشق میرے بُت

صرف دُعاؤں کے لئے تو نہ تھے

میں نے کچھ اور مانگا اور پھر کچھ اور

آنکھ ہو کر رہ گئی ہوں

انسانوں کی نظر ایسے ہی لگتی ہے

اپنی آنکھ کے پاس رہنے سے

کیا عورت آوارہ ہوتی ہے

کیا مندروں کی آوازوں پر جاگا نہیں کرتے

کیا مسجد کی اینٹ پُرانی نہیں جاسکتی

اتنی تو دیانتی ہے مجھ میں

کوئی نظر آئے تو سجدہ کرتی ہوں

بھلا آنچل کا سجدے سے کیا تعلق

کہتے ہیں آنکھوں کے شور میں کیا لکھتی ہے

لکھ کیا رہی ہوں میں تو چل رہی ہوں

یہ گدلے لوگ کنول رکھنا نہیں جانتے

بس مورت سی ہنسی میں دفن ہیں

پانیوں کے مقدر میں بھنور ہوتا ہے
عورت کے مقدر میں ایک کے بعد دوسری چادر
زمین کا ساحل نہیں ہوتا
میں تو چلتے چلتے مٹی کو حاملہ کر دوں گی
پھر بھی کوری رہ جاؤں گی
کاش مجھے کوئی لکھتا
یہ ٹھانھیں مارتے بندے
سمندر سے زیادہ ہو سکتے تھے
لہو کی سات پُشنیں تو کوئی چہرہ نہیں رکھتیں
میں نے خاموش چاند کبھی نہیں دیکھا
نہ انسان کے ساحل پر نہ زمین کے ساحل پر
کسی روز اس جسم کی بارگاہ سے نکل جاؤں گی
کون مانگے توبہ سے انصاف
ہم سب رحم کے سیلاب میں مارے گئے
اور جسم کی صلیب پر چڑھائے گئے
دو آنکھیں دو قدم ایک زبان کیسے رکھتے
سمجھتے ہیں بہا دیں گے مجھے یہ

کنکروں میں جیسے میں نے انہیں سہا نہ ہو

یہ سارا کا قید خانہ ہے

تمہارے خدا کی دُعا نہیں

جسے عرش سے گرنے کا ڈر ہو

یہاں سر جھکانے والے سے

دار کو محفوظ رکھا جاتا ہے

یہاں میری آنکھیں بچے نہیں جنتیں

نہ ہنسی سے گرو نہ آنکھ سے ہٹو

نہ قدم سے ہٹو

اپنے اپنے عذاب مجھے سنا دو

میں آنکھوں کو لاٹھیوں سے نہیں ہانکتی

میری قید چاند سورج پھینک چکی ہے

اور تمہاری آزادی زنجیروں کی صدا ہے

غافل آزاد ہے اور سہل

پتھروں میں ڈوب گئے

میں بٹی ہوئی رسی نہیں

بے لوٹ جھاڑی سہی

تماشے میری آنکھوں کے میدانوں میں ہوئے

دھول اور پھر کشکول میں

مانگی جانے والی دُعائیں

گھر سے ڈری ہوئی عورت

کہیں نہ کہیں تو چلتی ہے

خواہ پیڑ کاٹے یا غم

یہ کون لوگ ہیں جو آگ کو

مٹی سے چھوٹا سمجھ رہے ہیں

سیکوں کی آوازیں میں نے کیوں گنی تھیں

موت کا اعتبار نہیں آواز مجھے دیتے ہو

آنکھوں کی پیمائش سنگِ میل سے کرتے ہو

اپنے سوگ میں زبان کھول رہی ہوں

میری منڈیر سے رات اور سورج

اکٹھے اڑ گئے ہیں

اپنے ہاتھ میں چُن دی گئی ہوں

ہاتھ ملاتے ہی گر جاتی ہوں

قدم کو مٹی کی پھانسی دوں

آنکھ خاموش ہو نہیں سکتی

جسم کی تنخواہ ملتی نہیں

بھوک کی لونڈی کو آزاد کر نہیں سکتی

ہاتھ اکیلے پکنک مناتے نہیں

ہنسی مذاق چھوڑتی نہیں

مروت ہاتھوں میں چٹکی بجاتی رہتی ہے

صبر آگ دھوتا نہیں

انسان تو کنویں سے لوٹ آنے والی آواز ہے

پھر تو دھبیوں میں تروپے لگائے نہیں جاسکتے

میں کوئی سمندر کی سوتیلی بہن تھی

جو میرے لئے لباس رکھا گیا

اور میری چال میں گالی رکھی گئی

دُکھ کی ڈولی اٹھانے والے

کیا گھونگھٹ میں قید ہو گئے

شام سے وقفے میں ہاتھ جوڑے

پھر رات دن کے ہاتھوں مارا گیا

اور دُوبتا سورج صبح ہوتے ہی

میرے۔۔۔ سے اڑ گیا

میں دن بھر روتی اور رات بھر ہنستی

میری آگ کی کئی زبانیں تھیں

اناج کی میں پہلی قسم تھی

سو انسان کی قسم کھا سکتی تھی

میں نے ہاتھ سے وعدے پھینک دیئے

اور آنکھ جنگل میں چرائی

میری آگ کوڑے کرکٹ سے دُکھنے لگی ہے

تمہارے پاس دریا ہو تو پیاس کا وعدہ میں کرتی ہوں

رات ایک دُعا

کشکول میں گری تو ریز گاری بکھر گئی

موت کو میرا ذائقہ پڑ جاتا

تو کپڑے کبھی نہ دھوتی

لیکن مجھے گن لو تو اچھا ہے

تا کہ تمہارا کشکول پُورا ہو جائے

اب تو آنکھ بُری لگتی ہے

میں نے اُسے گود لیا تھا

یہ میری رانوں تک پھسل گئی
آنکھ خوری کے کتنے کنچے کھیلوں
قید میں صرف سلاخوں کی ہنسی گونجتی ہے

-

سائے کی خاموشی

سائے کی خاموشی صرف زمین سہتی ہے
کھوکھلا پیڑ نہیں یا کھوکھلی ہنسی نہیں
اور پھر انجان اپنی انجانی ہنسی میں ہنسا
قتیہے کا پتھر اپنے سنگریزوں میں تقسیم ہو گیا
سائے کی خاموشی

اور بھول نہیں سہتے !

تُم !

سمندر کو لہروں میں ترتیب مت دو

کہ تم خود اپنی ترتیب نہیں جانتے !

تم !

زمین پہ چلنا کیا جانو !

کہ بُت کے دل میں تمہیں دھڑکنا نہیں آتا

کانٹے پہ کوئی موسم نہیں آتا !

سات ستارے میں گن چکی تھی
اور آٹھویں رات کا چاند مر گیا تھا
فقیر کے سکے زمین پر گرتے ہی
میں کشکول جتنی بڑی ہو گئی
اٹھنی میں چُرا رہی تھی
کہ اٹھنی مجھے چُرا رہی تھی
اب ہماری مُلک اتنی بھر چُکی تھی
کہ اُس میں جھنکار پیدا نہیں ہوتی تھی
میرا باپ اکثر عورت چُراتا
اور اپنے بچے ہار جاتا
ماں کے جینے کے لئے
بچے کافی نہیں ہوتے

میں نے پھول خریدنے والا دیکھ لیا

ماں نے گھونگھٹ نکالا

تو میں نے چودہ پھول گئے

اور باپ سے ملتے جلتے

آدمی کے پہلو میں جا سوئی

میری زلفیں رات جتنی دراز ہو گئیں

میرے قدموں سے آواز آئی

میرے ہاتھوں میں اکنی کی طرح رہو

میرے ہاتھوں سے بچے جاتے رہے

میں بستر پر گڑی رہی

وہ مجھ سے کھیلتا رہا

میں نے خالی آنکھوں سے آسمان دیکھا

اور ساری خُدائی سمجھ گئی

میرا شوہر اب میرا آخری بچہ تھا

بے اینٹوں کی دیوار سے میرے بھائی نے جھانکا تھا

اور اُس کی سانسوں میں چاند پھنس گیا تھا

لیکن !

میری سات سالہ عمر کے پاس کوئی حیرت نہ تھی

میری دعائیں مجھ سے علاوہ تھیں

میں خدا سے جسم کے علاوہ کچھ مانگ رہی تھی

حالانکہ میرا سایہ

ہمیشہ مٹی سے سیراب رہتا تھا

میں نے انسان اور مٹی کو

ہمیشہ مختلف رنگوں میں دیکھا

میری آنکھیں کبھی فرار نہیں ہوئیں

آنکھیں نہ بہن رکھتی ہیں اور نہ بیٹا

پہاڑ بھی مٹی ہے !!

لیکن ہماری موج ساحلوں سے بھی ٹکراتی ہے

میں پہنچتی تھی زندگی کی موج تک

رات کی آخری چیخ مٹی میں رہنے لگی

تو مجازی میرے گھر کے چراغ کی طرف بڑھا

میرا چراغ دیوار شکن ہے

آنکھ فروشی کرنی ہے تو اپنی بیٹی کے ساتھ

مگر ایک پیڑ کا سایہ بھی تو ایک ہی ہوتا ہے

محبت ہے تو میری ماں کی آنکھیں

مجھ سے الگ کیوں ہوں

مٹی کی صدا اگر موسم ہے

تو میں کیوں نہ باپ کے کپڑے اُتار دوں

ٹوٹے چاند کی چاندنی نہیں ہوتی

اسی طرح ہم آدھے لباس میں جیتے ہیں

دن میں گم ہو جانے والے چاند کے دن

میرے بچے مجھ سے چھین لئے گئے

تو میں بغیر آسمان کے زمین پر بیٹھی تھی

آسمان ستاروں سے روتا

مجازی نے قرآن اٹھایا

چند دن بچہ میرا!

میں نے یہ دیکھنے کے لئے کہ قرآن کیا ہے !!

اعتبار کیا!

میں بچے کے آنسوؤں کی طرح ہو گئی

اور ابھی تک آنکھوں کی طرح ہوں

اور ابھی تک مسلمان ہوں! زندگی کی چھاؤں میں کوئی سورج نہیں ہے

دریا سندر بن جاتا ہے میرا نہیں بنتا

نیند آنکھوں سے بھر گئی ہے

میری ماں میرے جنم دن پر آنکھیں جلاتی ہے

میں ہاتھوں سے گری ہوئی دُعا ہوں

میرے چراغ سے لوگ اینٹ مانگتے ہیں

میری آنکھوں میں

ہاتھوں کا دُکھ جم کر رہ گیا ہے

کھوئی زمین نظر آتی ہے

لیکن میں چھاؤں نہیں بوسکتی

میں آخری حد تک

انسان کی گواہی دیتی ہوں

مجازی اولاد دیکھتا!

اور میں اولاد کے علاوہ بھی

انسانوں میں پھنسی ہوئی ہوں

پھر، ہر اپانچ بچہ میرا ہی بچہ تو ہے

پھر میں ذہنی اپانچ بچوں سے محبت نہ کروں

مجھے آنکھوں میں سجنے کی ضرورت نہیں

یہ پرندوں کو رٹنے والے لوگ

میرے ایک لمحے کی خیرات ہیں

یہ اتنے چھوٹے لوگ ہیں

کہ اپنی بیویوں کی۔۔۔ میں مر جاتے ہیں

سندر ہونے کے لئے جسم کے دریا سے گزرنا پڑتا ہے

میں سمٹی ہوئی انگلیوں کا انسان نہیں چاہتی

دیوار پر دھوپ جم جائے

تو کپڑے سکھانے ہی پڑتے ہیں

میں نے ماں کو آخری نگاہ سے دیکھا

بن موسم کی شاخ جلائی

اور مٹی کا قد ناپا

میں ایک مکمل انسان نہیں تھی

انسان کی آنکھیں ہمیشہ مکمل کنواری رہتی ہیں

سو میں اپنی راتوں کا شمار نہیں کر سکتی

راکھ کتنے موسم رکھتی ہے -----

پچاس رنگوں کے لباس پر ٹانگے لگاتی

شام پر سورج کا پہرہ اچھا نہ لگا
میں نے رات کی چادر میں سورج کی دُعا مانگی
محبوتوں کے دروازوں پر آہٹ رہتی ہے
جس دن میرے ہاتھ تین ہوئے تھے
میرے آنچل پر سکوں کا پہرہ تھا
مجھے حاملہ آنچل کی قسم
میں اینٹوں کا مکان ہو گئی تھی
پھر بھی مکان ایک کُٹیا کی خواہش رکھتا
میں ایک قدم کی قسم
کھا سکتی تھی کسی تیرے قدم کے لئے
زمین انکار کی صورت ہاتھ آئی
ہم لباس کا رنگ جانتے تھے
جسم کا رنگ بھول چکے تھے

شاموں میں دوپہر نظر آئی
جیسے ایک کمرے میں ہم نے چراغ بانٹ رکھا ہو
اُس کی آنکھوں کا رنگ پھیکا پڑتا

تو میں سمندر سے سورج نکال پھیلتی
اُس کی شرمندگی مجھے نگل رہی تھی
حیا میں ، میں پھنس گئی تھی
ہم دونوں میں کبھی انسانی مکالمہ نہیں ہوا
وہ فُٹ پاتھ سے ڈرا ہوا تھا
ہم چراغ کی حدود تک ساتھ ساتھ تھے

سیڑھیوں میں ہی میں اپنے قدم بھول آئی
سرگوشیوں کا میں لباس پہنے ہوئی تھی
کہ بغیر قبر کے کتبے کو میں نے پڑھا !
مٹی ماں کہتی تھی

بغیر کفن کے میں ماں نہیں بنتی
تو پھر میں بے کفن بچے کی ماں بن گئی
دیکھنا ! میرا مذہب ہو گیا
گھر کسی چھاؤں میں نہیں ہوتا
اور لہو کی صدا نہیں ہوتی
گلیاں بے قدم ہو جاتی ہیں

وہ لفظ فروش سا شخص

میرے قدموں کو جگا گیا

جڑواں آنکھوں نے کب جنم لیا

ہمارا درد کون سا اکٹھا تھا

ہم ہاتھوں میں ضرورت رکھتے

ہم ننگوں کے پاس ایک ہی چادر تھی

سو ماں نے پیدا ہونے والے

بچے کا نام راز رکھا

سمندر کی بیداری مٹی کی خاموشی نے بھانپ لی

ہر شخص اپنے لئے ایک کمرہ رکھ چھوڑتا ہے

اپنے تیسرے قدم کی خواہش

انسان اپنی تنہائیوں میں بھی نہیں دھراتا

حالانکہ انسان رہتا ہی تیسرے قدم میں ہے۔۔۔

مجھے شوہر کی مفلّس نگاہوں سے

ایک لباس کی اُمید رہتی

کیونکہ !

مجھے خبر تھی کہ میں ایک نگلی بیوی ہوں۔۔۔
نگلی نہ ہوتی تو ایک بے کفن بچے کی ماں کیسے ہوتی
زمین سے ہٹوں تو تمہاری طرف آؤں
عالم اتنا کہ کتابوں میں دفن تھا
اُس سے بات کرنے کے لئے
مجھے اُسے قبر سے نکالنا پڑتا

چونی، اٹھنی میرے انکار و اقرار تھے
ہم دونوں لیٹے تھے
کہ احساس ہوا ہمارے نیچے بکچی چادر مر گئی ہے۔۔۔
پیڑ کا سایہ مجھ سے ہمکلام ہوا
تیرا مرد چھاؤں سے چھوٹا ہے
سات پائی کوٹاس کرتے ہوئے، بولتی کم ہو!
ہاں کھوٹا سکھ چل گیا ہے
میں نے آنچل ہوا کے ہاتھ سے چھڑایا
کمرہ اکیلا ہے اور انسان کا درد شدید ہے

میں نے مُردہ بچے سے پہلی بات کی !
تیرے باپ نے آج تک ایسا شعر نہیں کہا
جسے تیرا کفن کہتی
پیدائش اور موت کے ایک گھنٹے کے بعد
میرے پاس پانچ روپے اور مُردہ بچہ تھا
لاشہ سکوں کے عوض رکھا
جنم کے سکے تو مل گئے موت کا سکہ نہ ملا
ثواب کماؤ !

اور اس بچے کی قبر کہیں بھی بنا دو
اس کی اصل قبر تو میرے من میں ہے
میں قدم قدم گھر پہنچی !
کفن آنکھوں کے تھان بڑھا گیا
جس فرد کو دیکھتی قبر کی بُو آتی۔۔۔
افسوس ! مرد نہ جان سکا اُس کے نطفے کی قبر کون سی ہے
میں گناہ اور ثواب سے رنگی باتیں کرتی
اور ایک ایک مرد سے پوچھتی ، کفن کیسا ہوتا ہے !!
تو میرے پستانوں سے مُردہ دودھ بہنے لگتا

کیا۔۔۔ کی ماں بھی کفن ڈھونڈ رہی ہے

مُردہ آنکھوں کی گواہی پر میں اپنے آپ کو رکھتی

پھر مرد بھونکا، تم نے "میں ننگی چنگی" لکھی ہے

پھر اپنی رات میں ہماری چادر کیوں نہیں بچھاتیں

اور لوگ اپانج لفظ سے تکیہ کرتے

میرے معصوم نے

شرم کے علاوہ عورت نہیں دیکھی تھی

ہر نوجوان اور بوڑھا پتہ

میرے لئے خاص موسم رکھتا

میں مٹی سارے موسم جان چکی تھی

تلاش صرف کفن کی تھی !

جنگل چراغوں سے نہیں بستا

اور نہ رات سے کوئی مرتا ہے

ہنسی میں انسان دفن ہونے لگے

تو چاند آسمان سا بین رکھتا ہے

میں ٹھہری مٹی کا کفن !

ماں زمین سے دُور نکل آئی

آواز میں انسان گونج گیا

سو میں جنگل نہ جاسکی

سمندر کے قدم میرے قدموں سے آن ملے

اور چاند میں آنکھیں سُکھاتی رہی

میں خواب سے کپڑے پہنتی

اور جاگتے میں لُٹ جاتی

میرے گونگے بدن نے اشاروں کا لباس پہن لیا

وقت کے لئے میں اپنے دوستوں کی دائی تھی

یہ مجھ سے۔۔۔ کے لئے مجھی سے اٹھنی طلب کرتے

کون سی لڑکیاں جاگ گئی ہیں

جو جنم دن کے بعد کنواری ہو جاتی ہیں

ان کی کوکھ سے قید جنم لیتی ہے

اور دار سے گھونگھٹ نکالتی ہیں

پی گیا دودھ سانپ

آنکھوں کی مہندی رچاؤ

نہیں تو تمہارے بچے بے کفن رہ جائیں گے

میں نے لباس فروخت کر دیا ہے

کل تمہارے پاس دوپٹے نہ ہوں ،

تو سمجھ لینا میرے پاس پورا لباس نہ تھا

بدن کی گواہی پر مت رہنا !

آنکھوں میں بس رہنا !

قبر بن جانا !

کہ آزادی کی خاک ہونا بہتر۔۔۔

یوں ہم نے ایک غیرت مند۔۔۔ تراشا !

سچ پوچھو تو بھول کتنی اذیت میں ہے

کانٹے پر کوئی موسم نہیں آتا

پتھروں کا پیمان

میرے سامنے اینٹ کے باطن میں دیوار
من میں میرے اپنا ہی ایک بے رنگ بُت
ٹھک ٹھک کر کے بھاگے
میرے گھر میں چور بھی دیکھو سیدھی راہ نہ پائے
رات کے جوتے صبح چُرائے
صبح کے جوتے شام
ہم نے مڑ کر آنکھ سنواری ، ابد سے ازل تک
کھلے دروازے کس نے کھٹکھٹائے !
خلائیں تو پرندوں سے پُر ہیں
غروبِ آنکھ کیسا سمندر
قیام کے عمدہ مکان اُلٹا

لحد پوش سُورج دکھایا کس نے

اب ہماری باری آئی تو منتر پر اے :

دُکھ شکھ دو فرشتے جنہوں نے جیون کھوج لگائے

اُس پیڑ تک جو پہلے پہنچے وہی راجہ کہلائے

ہاتھ نے شاخ سے کہا

کتنی شاخیں تیری کتنی شاخیں میری :

پیدا ہوئے لوگ رونے سے انجانے ڈر سے مر بھی گئے

چراغ بُجھا کر سحر دیکھتے ہیں

جو پانیوں سے مذاق کرتا ہے ساحل اُس سے مذاق کرتے ہیں :

سجدہ زمین پر عنایت عرش پر

مچھلی دریا میں کانٹا ساحل پر۔۔۔

تار تار وقت کو سینا پڑتا

ذہانت تو تاریخ لے اڑی

باندھ دیا ہے میں نے سوا رُپیہ دھرتی کے بازو پر

میں اپنے دونوں ہاتھ چھپا کر تم سے ملوں گی

مُردہ پتھروں سے لہو لہان ہوئے تو کیا ہوئے

خاموشی انسان کو جنم دیتی ہے

انسان لکڑ ہارا بن جاتا ہے

بندہ پروری پنجرے سے ہاتھ ملاتی

سُورج میں خم آ جاتا ، ستارے آدھے رہ جاتے

وہ نئے ورق دے جاتے

میں لکھتے لکھتے سیاہی میں ڈوب جاتی۔۔۔

جنگل جانے والے !

دوپتے توڑ لانا ، یا تھوڑا سا حال خرید لانا

پہاڑوں کے دامن میں بہتے دریا

جانوروں کی پیاس بُجھا چکے ہیں۔۔۔

چڑیا اور دریا کی گفتگو کنارے تک کیوں لے آئے ہو

کنارے پہ کیا ڈوبنے والے نہیں کھڑے تھے

وہ آواز کو جلا دیتے

اور خاک میں پتھر بھر دئے جاتے ذرا سے پانی کے ساتھ

کیوں نہ ہم ایک دوسرے کو گزارتے چلے جائیں

پہنچ کر مجھے راہ دکھا دینا

پُرانی دیواریں دل لئے پکارتی ہیں

ارادہ پتلیوں کی حیرت میں پیوست ہوتا ہے

کُنیا میں روشن چراغ

تخنوں کی قبریں بن سکتا ہے

لیکن اسے تیرے گھر کا بھی تو خیال ہے

شہروں کے خاتمے بھی کچھ ابتدا کرتے ہیں

چراغ مٹی میں نہیں جلتا

سُنائی ہوں ایک کٹاؤ !!

ایک مُردہ تھا ایک زندہ تھا

پہلے کی آنکھیں سمندر گنٹیں ایک کشتی پسند نہ آتی

دوسرے کی آنکھ پلکوں سے

گندگی میں بھولی آیتیں اونچی جگہ رکھ دیتیں

سیکُنڈ دو راہوں پہ چلتا

محفوظ چال سے وہ کسی کی طرف جا رہا ہوتا

تلواروں کے لباس سلوانے کی رسم کب سے ہے

کیا میرا مخاطب اتنا گھٹیا ہے !

انسان ٹھائیں مارتا تو بہ کرنے لگا

جھوٹی راتیں اور گزرے دریا

لیکن سامنے دیکھنے کی عادت نہیں جاتی

دیوار کے پار آنکھن بدنام ہوئے

کسی نے بیٹی کہا کسی نے جسم سنوارا

تیز و تند کپڑے پہن

وہ ٹہنیوں کے ٹوٹنے کی آوازوں سے

سفر پہ روانہ ہو جاتے

منہ اندھیرے سوچنا شروع کرتے

بوکھلائے بوکھلائے تیور ہمیں بھگتنا پڑتے

زخمی چراغ بُجھا دئے گئے

سوگوار گناہ ننگی پوریں دکھاتا۔۔

لہو دار! تیرا فرض تھا مکان کا کرایہ دیتا

دیواروں کا خیال کرتا

کیل ٹھونک ڈالی تُو نے کیلنڈر کے لئے

مہنگے جھوٹ کبھی سچ کے ہتھے چڑھے

پہیلی بنے تارے رات بھر بوجھتی کسے

نئے کپڑے مبارکباد ہوئے جاتے ہیں۔۔۔

چاند کو دیکھ کر دُعائیں مانگ رہے تھے

تم نے کیا رات کو یتیم سمجھ رکھا ہے

اُجالے چراغوں کو پناہ نہیں دیتے

ایک دل دو آنکھیں ، ایک انسان دو فرشتے

لمحے بھر کا وعدہ گھر سے اُونچا ہوا

سورج نکلے گا تو پھر پرندے لوٹیں گے

جواری رنگ پُرائے دھوپ

رات کے کونے مٹی کے کون سے گھروں میں بسے

انجانے ہاتھ مجھے ٹٹولیں۔۔۔

کٹورے ہاتھ بھر بھر دُعا مٹی سے اُونچے

رات کو تھپڑ مارو ، بے پردہ دھرتی ، ننگے سمندر !

کھنڈر اُڑتی پناہ گاہیں ہیں

یہاں انسان بھی رہ سکتا ہے جانور بھی۔۔۔

یہ عمارت پتھروں کے پیمان سے بنی ہے

شفق بھوکے شیرنی ، سمندر بھوکا شیر

سنگم پہ کس کی لحد ، شمع کو ڈھارس دینے والا خاک ہوا

پرکھ تو پتھر سمیٹ لائے۔۔۔

ہوائیں کبھی مٹی نہ ہوں گی

ہوائیں انسان سے لے کر کائی تک حکم صادر کرتی ہیں

ہوائیں اشرف المخلوقات نہیں تو کیا ہیں !

نہ بھوک سے کوئی رشتہ

اس پگی کا کوئی دیس نہیں

یہ زندہ ہے تو مُردہ بھی

کبھی قبروں کی ماں ہے

انسان کے چند سالوں کی یہ پڑوسن

مٹی پہ پاؤں ماروں تو گھر سے اونچی شام

ہجر کے پیچھے دو بُت ، تیور کے دو اُبرو

سفید پھولوں سے میرا جسم داغا جاتا ہے

دھوکہ دہی میں پوریں دل میں ڈبویں

پتھر نما مُجسمے کو پایا

قرض خواہ وعدے مجھے پھلانگ چکے تھے

انگوٹھے سمیت میں نے جنم لیا

ہاتھ تھے پتھر ، باہیں دریا ، آنکھیں چڑھتا سورج تھیں

یہ جوگی رنگ تھا جیون کا

پھر دو پھولوں نے ، دو آنکھوں نے عہد کیا

میں جاگوں تو تم سونا ، تم سوؤ تو میں جاگوں

مور حرامی دُور کھڑا مجھے دیکھ رہا

اُن آنکھوں میں میری آنکھیں تھیں

دیپ تیرا رنگ ، سکھیوں کی مہندی جیسا

اور پھر میرے جیسا

پانی چھوٹی تو پانی پتھر ہو جاتا

دُعا مانگتی تو فرشتے توبہ کرتے

سینے سے اُونچی بات تھی

فرشتوں کی جگہ خُدا نے دو مُردے میرے سنگ کر دئے

دوپہروں کا سُورج بڑا کمینہ ہوتا ہے

اُتار پھینک کھیت کی اُترن

یہ کپڑے ، یہ چہرے ، یہ بھوک۔۔۔

دُھول سے ڈرنے والے شہسوار

موت بھی تم سے کراہ کر گزر جائے گی !

میں سچے الزام سے کہہ رہی ہوں نہالے !

پانیوں کے مقدر کسی گندگی کو نہیں اپناتے

میں نے اپنے آنگن میں تین رُوحیں گاڑی تھیں

جن کے جسم ابھی زندہ ہیں

اُن کی چُنی ہوئی کلیاں مجھے پھُنکارتی ہیں
اِن کی جلتی سانسوں سے میرے لباس جلتے ہیں
میں آنکھوں کے ڈر کے مارے بھاگتی ہوں
پتے جسم کے گرد لپیٹتی ہوں
یہ زرد ہو کر ہوا کے ساتھ فرار ہو جاتے ہیں
میں پاگل نہیں
اعلیٰ نسل کی کُتیا بھی نہیں
انسان تو دُور کی بات ہے یا نزدیک کی
مجھے تھام لے عذاب ، میں نے کون سا صبر کیا تھا
تلواروں کے سائے میں آنسوؤں کی تسلیاں
میری ماں نے کہا تھا
بیٹی میرے پسینے میں نہائے ہوئے دُکھوں کا خیال کرنا
میں مکروہ دُھوپ سے آلود ہو گئی
جھومتے ہاتھی کی طرح۔۔۔
پھر سانپ کی چال چلی ، بچے بوڑھے ہونے لگے
نماز ! وقت کا تعین کئے بغیر پڑھی
بات کی فکر کہاں تک لائی

لہو میں گوندھے پتھر ، دُنیا نے کہا ، کُتیا۔۔۔

میں قبر پہ پہنچی اور پُچھا !

اے فرشتو تم نے مجھے سجدہ کیا

اور دُنیا میں نظر اندازی بھول گئے !

راہوں میں تم نے مجھے پریشان کیا !

کدھر ہے خضر !

اُس کو خبر نہیں تھی ، میں نے دنیا ہی کب دیکھی تھی۔۔۔

دو نینوں کا گھرانہ ایک !

بتوں کے دیوتا میں تیرے جیسی ہونے لگی

بنجر پیاس پہ رونا کیسا

رات بھی گویا کوئی شاخ ٹھہری

مٹی کے سیاہ پلے !

برہنہ مٹی پہ برہنہ انسان آیا

برہنہ ماں ! یہ تیرا گھونگھٹ !

نمک حرام دل !

سڑکیں میرے جسم کے سنگِ میل گئیں !

چراغ تھک جائیں گے

پگڈنڈیاں دُور دُور تک پھیلی ہیں۔۔۔

لوگ کہنے لگے اے خُدا!

میں نے کہا میری سنو!

میرے لہو کے چھینٹے پڑے جو پتھر پہ

نئے الزام تراشی گئے

مٹی سے گرتے گرتے میں ذرہ ذرہ بچی۔۔۔

دوڑتا لہو لگام ہوا

روشنیوں بھرا پیڑ ہوں میں

لیکن نہ آنکھیں رہیں نہ خواب

آئینوں پہ جہی گرد پر کسی نے اپنا نام لکھا۔۔۔

خلاؤں کی بانہیں، ایک آسمان دوسری زمین

دل کا غز کی ناؤ ہونے کو ہے

اے میرے دشمن لحو! تم کہاں ہو۔۔۔

وقت تیرے بچوں کا پالنا ہو گا!

جلی روٹی پہ پل جائیں گے سانس

اے میری بہن کے لہو

تیری زنجیر بھری کڑیاں

خط کے کونے پہ ، فقط لکھتی ہیں۔۔۔

چُپکے چُپکے پتھروں پہ چلنے لگے سائے

آس پگھٹ کا بھول ہوئی

دشمن کے سینے میں

میرے تیور گن ، مجھے کیوں گنتا ہے

ساحل پہ کھڑے

فقیروں کی ہتھیلیاں بند کر سکتے ہیں

لیکن رُوح کے ساتھ جسم گانٹھ دے گئے

اُس وقت کہاں تھے چراغ

جب صبح صادق نے سورج کے تلوے چاٹے

آیا ہے جلے کپڑوں کا بدن لئے

حسرت کے بعد زمانے نے

ایک مُسکراہٹ خریدی ہے

میں نُچڑے کپڑے پہ تھوڑی سی دھوپ رکھتی ہوں

اور ایسا چراغ جلاؤں گی

جسے کسی تہہ خانے نے زنگ آلود کیا ہو

وہ جنگل نہیں بھولی !

جہاں میری پیدائش کا تھم سنایا گیا
بھولوں پہ ابھی ابھی آسمان رویا ہے
سہمے پرندوں کو کیا شکار کرنا
تم اخلاقی بیساکھیوں کی روند میں ہو
ڈھال سے تلواریں زخمی ہیں
فیصلے کبھی فاصلوں کے سپرد مت کرنا
اور جہاں چاند کی تمنا کرنا وہاں چاندنی کی تمنا مت کرنا
نشانے کے وقت ایک آنکھ سے کام لینا اچھا ہے۔۔۔
تم میرے گھر رہو کہیں تمہیں ٹھنڈ نہ لگ جائے
گلاب بھی لال ، دل بھی لال ، پتھر بھی لال
اور جب جسم قتل ہوئے وہ بھی لال۔۔۔
کیا حیرت آنکھ کا لشکارا ہے !
آج ایک تیراوار بھی ہو گیا
خاک اور خون اکٹھے پیدا ہو رہے ہیں
روحیں جسموں سے آنکھیں مانگ رہی ہیں۔۔۔
جانوروں کے اعضاء والا کہاں گیا !
چلو تیرے رنگ کی آگ جلا لیتے ہیں

پھر چوتھے رنگ سے اسے بُجھا دیں گے۔۔۔

برف ماضی کو شعاعیں مل گئیں

میری دو آنکھوں نے کبھی اپنے آپ کو نہیں دیکھا

قیامت کا انتظار ہے سُورج پر نظر ہے

کنول کو داد دینی چاہیے ، اپنی جائے پناہ خوبصورتی سے سجاتا ہے

بھُول کے دو رنگ ہیں

ایک خوشبو ایک رنگ۔۔۔

وقت کے کانے چٹکیوں پر زندہ تھے

سُرخ ، سفید ، کالا۔ تینوں سائے خود حیران تھے

کہیں ہاتھ گرا ، کہیں آنکھ گری

ارادہ صدا کا تھا بڑھاپے کے طعنے سُننے پڑے

کس انتظار میں سمندر میں کنکر مارتے تھے

قبا کے رنگ اڑائے انگلیوں کے داغ ہے

وصل میں بھی ڈھونڈا ہے ہجر

کبھی کبھی پھوار گھر کے اندر تک پہنچتی۔۔۔

چونی گئی تو بچپن یاد آیا

کتنے پارسا ہوئے جاتے تھے ہم

کہ آسمان کو غور سے دیکھتے ، کہیں خدا ہمارے کھلونے تو نہیں دیکھ رہا

قد دروازے سے اُونچا نہیں ، دِل کائنات سے چھوٹا نہیں

دھوپ سے کہیں پھولوں کے رنگ اڑے

آدمی کا رنگ پتھروں سے بھی بدل جاتا ہے

انسان کدھر گیا ! جنگل کی طرف ! فکر کی بات ہے

انسان کدھر ! زمین کے اندر ! اب فکر کی بات نہیں۔۔۔

نہ خط آیا نہ انتظار تار تار ہوا

کسی کی چیز کھوئی ! میں ڈھونڈنے والوں میں شامل ہوں

پھولوں کا زنداں شاخیں ہیں

بستی بستی اُجڑ گئی میں ، شہر کی جانب تو دِل تھا

لہو نے کلاسیاں کب تھامیں !

کون جانے کیا ہو؟ سایہ ہو یا بُت۔۔۔

مٹی باہیں کھولے تو دھول اڑے

مجسمے کی عبادت کوئی کیا جانے

چنگاریوں میں جب آگ لگی

ہوائیں ہاتھ تاپتی پھریں۔۔۔

بے لوث کبھی بھی نہیں تھی میں

میرے سچے جذبوں میں بھی تیری ملاوٹ تھی
لہو میں دوڑیں آوازیں ، یہ کس نے پھول بکھیرے
پھر پتی پتی پھول چُنا

ایک وعدہ میری عُمر بہا لے گیا
محبّتوں کے کھلے بادل جانے کہاں برسیں
چادر کو کائنات سمجھ بیٹھے ہو
ذرا سی بات ذرا سا آدم

اندھے تقدیر ڈھونڈتے پھریں۔۔۔۔

وہ ارادہ جسے کیڑے اپنے دل میں رکھتے ہیں
قدموں سے نہائی دھرتی میری خواہش سے بھی چھوٹی ہے
اور بلندیوں پہ اٹل ہے

بیگانی پوروں کی وہ اُجرت ہے

مجھے لپیٹ لپیٹ کر رکھتے ہیں یہ کُتے کمینے موسم !!

تنکوں کی لَو میں کتنے جذبے ہوں گے

جتنے قطرے لہو کے پاک ہوں گے

اُتنے جیون میں خدا سے مانگوں گی نہیں

بے خبری سمندر کالے کر دے گی

آگ کی ٹھنڈک زرد ہی رہے گی

پیڑوں کی کھوہ میں کتنے رنگ

اُجھیں جسم پہ لپٹی ہزاروں آنکھوں سے

سو کے بھلا دیا گیا ایک چراغ

بعض راستے تمہیں پسند کر رہے تھے اچھا ہوا سنگِ میل نظر نہ آیا

بدنامیوں کے ساتھ میرے ہاتھ جلے ہیں

لہو کے پھول لئے آنکھوں کی سہاگن نے

آنکھوں سے تیرا جھولا بنایا

لوٹایا تجھے تیرا بچپن

بخشی ہونٹوں میں دبی انگلی

اور چراغ کے حوالے میں نے رات رکھی۔۔۔

عذاب نہیں جو کپڑے چرائے گئے میرے جسم سے

گھر کا مداوا کیوں کروں ، کوئی بھی سمندر میں رہ سکتا ہے

رُکا انسان آنسوؤں کی مالا دیوی کے گلے میں ڈالتا

کاغذ گلیوں گلیوں گزارہ کرتے

آہیں خدا کی باتیں تھیں۔۔۔۔

راز ٹھنڈے سورج کی طرح ہوتا ہے

شام چار بجے آئینوں پر چلنے کی دعوت ہے

سو سالہ یکے ہوئے دل کا تحفہ لے لے

اور حیرانیاں پیک کر دے۔۔۔

بہتے دریا بہتے سانپ چاہتے ہیں

سات رنگوں پہ دوڑتی آنکھیں آواز طے کرتی ہیں

چراغ دل نہیں اور دل چراغ نہیں

سراغ لگایا تو میں ہی ٹیڑھی تھی

نہیں، نہیں کہ ہاں میں مدتیں گزرتی ہیں

رات میں خنجر توڑا گیا راستے تو جوڑے بھی نہ تھے

رہائی منتوں کے طور تو میری موت ہے

بہروپیہ ہمارے باپ کے باپ کی رُوح سے لپٹا رہا۔۔۔

میں نقد ہوں یہاں بیساکھیوں کی حدیں نہیں چلیں گی

قبر کتبے سے دُور نہیں ہوتی

خطا انسان کو پا ہی جاتی ہے کہ جلد بازی اتنے سے کستی ہے

جتنے سچے لمحے کا انسان ہوتا ہے

پھر منت منت خاک اُڑاتے ہیں

اُدھر بھی دریا، سامنے نینوں بھری خواہش

بستی میں کون جاگ رہا ہے ، جس کا جیون سوتا جائے

بھٹول ہنسے ، خواہش بدلے کون جیا ہے

رُکا ہے صدیوں بیتا ، گلابی آنکھ میں آنسو

پڑاؤ میں سو جھونپڑیاں جلتی ہیں

تب گھر کتنا یاد آتا ہے۔۔۔

درد بڑھتے جا رہے ہیں دشمن کہیں دوست نہ ہو جائے

تم تو پہلی قبر سے چلے تھے ، دن نکلا تو دھوپ سے شکوہ !

چاند اُن گنت آسمانوں پر داغا جاتا ہے

بھروسے کے پیچھے جھٹی آنکھیں

کہیں بے گھر زمین سُورج سے اپنا حال نہ کہہ دے

خوش تو اتنے ہیں

کہ شب و روز پنجرے میں بانٹے جاتے ہیں

جیسے ہی دروازہ کھلا کرے کی عُرِیانی نے قصے چھیڑے

دُر سُورج سے پردہ اُٹھاتا ہے

وجود والا دہلیز تک سفر کرتا ہے

کھلے سمندروں میں لوگ کہیں تختوں کے مکین تو نہیں ہو گئے

دل کوئی دوپہر نہ مانگنے پائے

کہ پرائی بیٹیاں دُعاؤں کے گھونگھٹ مانگنے لگی ہیں

ان آنکھوں سے صدیاں لوٹ لو

ان کے دیس چنے گئے ہیں ، یہ وطنی کہاں کی ہوئیں۔۔۔

دل سے سُورج جلتا ہے

ہونٹوں پر چاند کے داغ پہنچائے گئے

وہاں بھی لوگ ہدایت کے طنکار نظر آتے ہیں

میرے ضمیر میں سات جنم جلتے ہیں

چراغ تو بھولا ہوا راستہ ہے

بے خبری کا خنجر لئے وہ پیڑوں سے میرا نام پوچھتا ہے

آگ کے پہلے قدم پر میرا ماضی ہے

چاند پورا آسماں نہیں گھیرتا

ہوا کا بدن لگا تار آمادگی ہے

یقین کے ساکت پرچم پہ ٹھہرو

اور آبرو کے بجوم سے باہر نکلو۔۔۔۔

رنگوں کو جھڑکنے سے لباس پھٹنے لگتا ہے۔۔۔

مٹی کی ہتھیلی پہ کراہتا سمندر

یہ سُورج تو ہماری آگ کا اہتمام ہے

زرد پھُول اور زرد چہرے جلّائے جائیں

تو آگ زرد ہی رہے گی۔۔۔

اور جہاں آگ لگائی جائے وہ مٹی کالی ہو جاتی ہے

سمندر کروٹ نہیں لیتا

جہاں تک ہاتھ نہ پہنچے وہاں لوگ قدموں کے نیچے اینٹیں رکھ لیتے ہیں

مٹی اور دل فریب نہیں دیتے

جسے پاگل نہ کہہ سکو اُسے انسان کہہ دوں

آنکھوں میں باندھا چاند

ایک چہرہ سمندر میں رکھتا ہے اور ایک دریا میں

چُپکے چُپکے چاند تکتے والے

وقت تو خود ایک تہوار ہے

آستینوں میں دل نہیں اٹکتا

ہواؤں نے جس پھُول کو چُوسا

اُس کا انجام نہیں بھولتیں

تاریکی آنکھیں مگنتی ہے پھر میرا نام کیا ہے !

عادت ہاتھوں کے ملاپ پر کھلتی ہے

گود تلاطم سے ہری ہوتی ہے

ہاتھوں کے بھنور سے انسان ٹلا ہے

چاند اپنی سادہ لوجی سے تمہیں قتل کرے گا

بہروپے کو کہیں لے جاؤ

خاموشی جبر ہوئی جاتی ہے

اقرار کے ہاتھوں بےقراری بانٹوں

ہم خاک اچھے ہیں

چراغ کے عوض گھر دیں گے ، گھر کے عوض چراغ دیں گے

تیری مزدوری ہم تمہیں ضرور دیں گے

مٹی کا گھونگھٹ چاروں طرف پھیلا سمندر ہے

مَن مَن آنکھیں رکھتے ہو اور زرہ بھر پاؤں۔۔۔

دیکھو میری نگری !

سانپ کے سر پر دیا جلاتی ہوں

پہنچوں تو جنگل جاگے ، پھنکاری ہے

شاخ پر آدھا بھول جاگا ہے ، تھوڑا سا دل ہوگا

صُبح کے چراغ کی مانند آ میں تجھے بھول جاؤں

چاند کی چُغلی تو چاندنی کھاتی ہی رہتی ہے

چاند گہن سے مائیں ڈرتی ہیں۔۔۔۔

سمندر کو ہاتھ پر رکھ کے دیکھیں تو کوئی رنگ نہیں ہوتا

ماہوسی کے خالی پیالے کتنے لبوں تک !

سنگِ میل کا مسافر کس تکلف پہ قربان ہے

-

ایک چاند مانگ کر مُفلِس ہوئی

ایک چاند مانگ کر مُفلِس ہوئی
انتظار سے ٹوٹا آدمی دیوار سے دُور تک جا چکا ہے
وقت شرمندہ ہوتا ہے !
جس وقت لوگ جسم کے تلوں پر خوشیاں رکھتے ہیں
مٹی سے بے تاریخ خط اُٹھایا
یہ بھی کوئی وقت تھا جو بن مانگی بھیک کی طرح ملتا ہے
جب لوگ میرے ہاتھ میں اپنا ہاتھ بھُول جاتے ہیں
میں سوچتی ہوں

یہ پھر بھُول مارنے کی تیاری میں ہیں
ہزاروں لبوں کے عوض مُسکراتے ہیں
آنکھ پکاری ! بہت غریب ہوں میں
سوچ پہ چہل قدمی نہ کرو تو اچھا ہے

یہاں نمستے ، مُسلمان ہے
کرنوں پر چلتی چلتی اگر سورج تک گئی
تو دھوپ سے نہالوں گی
مٹی آج چھینک رہی ہے
رفو ہے زباں ہماری
جھوٹ میں دھُت بٹن تمہارے سینے سے کھیل رہے ہیں
دلہیزوں پہ جی دستکیں کسے ہلاتی ہیں
ہم ایک پیار کے عادی مجرم ہیں۔۔۔۔

پرندے اپنے دُکھ اپنی آنکھوں سے دیکھتے
سمندر کی حد میں کانٹا ڈال دیا جاتا۔۔۔۔
وہ کالے دروازے پہ چاک داغ جاتا
مالی خُدا سے قریب تر ہو جاتا
اندیشوں کے پانچے پیروں کو کھری کھری سُناتے
کل پہ گھڑیاں لباس تبدیل کر دیں گی
دِن کو جوڑتے ہوئے میری اُنکلی پھنس جاتی
سفر کے نمکڑ پر بد کلام ٹہل رہے ہیں

لکڑی سے بندھا کپڑا سارے مکان سے سوال کرتا
زندہ گالی بن کر زندگی پہ قدم رکھنا۔۔۔۔
تمہارے پاس تو تمہارے دو ہاتھ بیٹھے ہیں
پیاس دیواروں سے اُونچی نہ ہونے پائے
ورنہ بچپن کے موزوں کا رنگ میری ماں کو بھی یاد نہیں
آ جا کے کنویں سامنے رکھ دیتے ہو
میرے پاس کوئی رسی تو نہیں
تلاش سیاحوں کی آنکھوں میں جھانکتی ہے

☆☆☆

مصنفہ کی اجازت اور تشکر کے ساتھ

ٹائپنگ: سیدہ شگفتہ

تدوین اور ای بک کی تشکیل: اعجاز عبید